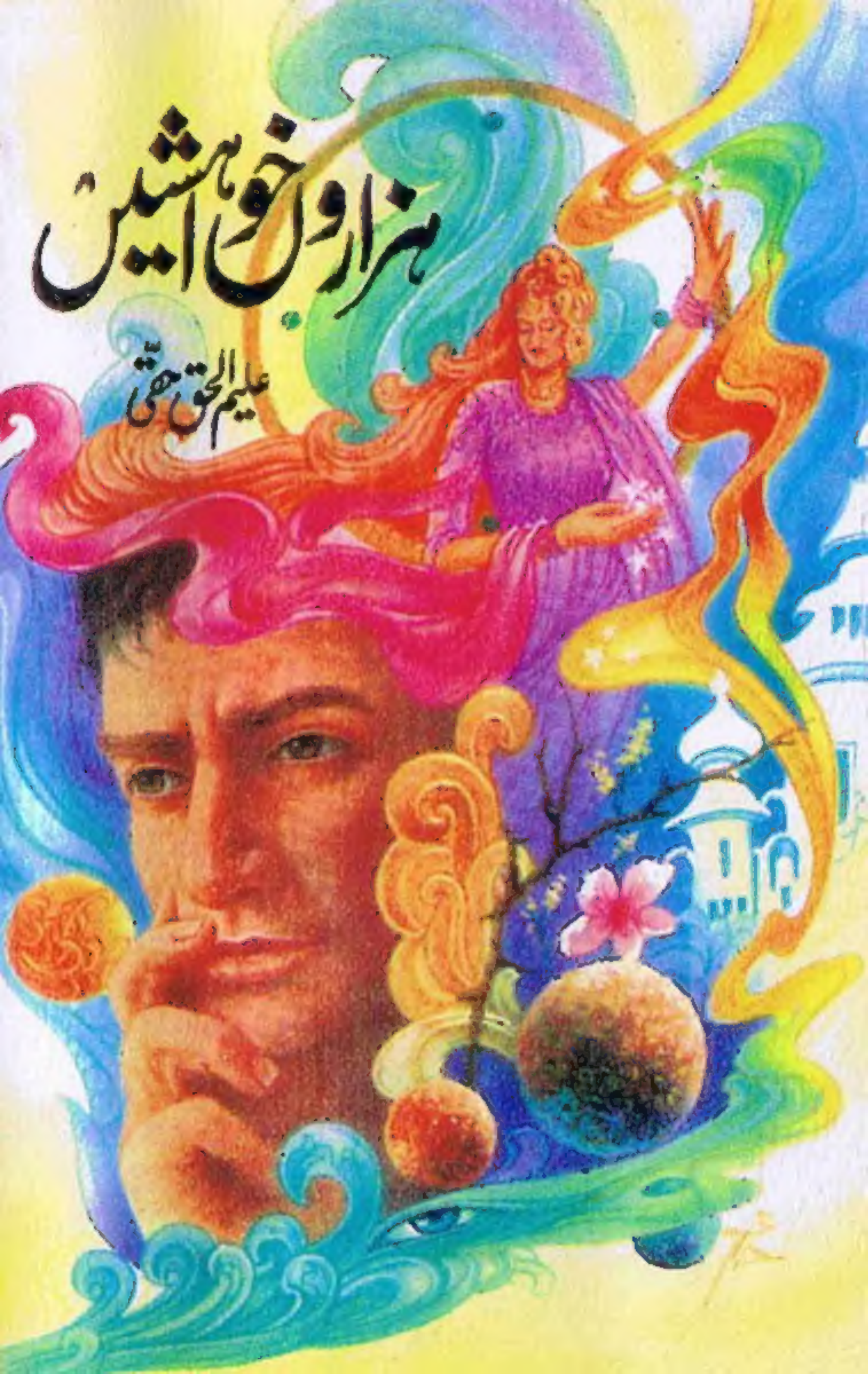


ہزاروں خوشیوں کا امین

علیم الحق حق



خواہشات کے گرداب میں پھنسے ہوئے ایک شخص کی دلچسپ داستان

ہزاروں خواہشیں

(۹)

Hazaron Khwahishain

BY

HASAI, Aleem-ul-Haq

علیہ الحق حقّی

— ناشر —

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰- عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون ۷۲۴۷۴۱۴

© ہمارے حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اول — ۱۹۹۹ء

مطبع — یو این ڈی پرنٹرز لاہور

کیورنگ — ہاشی کیورنگ سٹر لاہور

قیمت — ۱۰۰/- روپے

۵۹ ذہین اختر کا 25 سال جنم دن تھا۔

باہر سورج اٹل کے سندر میں اتر چکا تھا۔ کمرے میں اندھیرا مگنی رنگت اختیار کرتا جا رہا تھا لیکن ذہین اختر کو اس کا احساس بھی نہیں تھا۔ اس کے اپنے دماغ میں 'وجود' میں اس سے زیادہ گہرا اندھیرا تھا۔ ایسی باج سی تھی کہ اس کا وجود مثل ہو کر رہ گیا تھا۔ امید کی کوئی کرن نہیں تھی کہ جس کی ذور تمام کردہ خود کو اس اندھیرے سے نکل پاتا۔

بچپن سال کی عمر اور ایسی باج سی! اس نے حیرت سے سوچا۔ اسی عمر میں تو ایسی باج سی ہو سکتی ہے۔ اس کے ذہن نے جواب دیا۔ عمر زیادہ ہو جائے تو آدمی کو زیادہ سے زیادہ آنے والی کل کی فکر ہوتی ہے۔ جوان ہو تو خوف پوری عمر کا ہوتا ہے۔ ہلکا یہ بچ ہے کہ جوان آدمی باج سی کم ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مضبوط ہوتا ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ ذہین اختر ویسے بھی باج سی ہونے والا آدمی نہیں تھا لیکن جب وقت اور حالات کا حصار پوری قوت سے اپنی سمت میں چل رہا ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔

بچپنوں جنم دن اور باج سی! ذہین اختر نے جھنجھٹا کر سوچا لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ اس جنم دن پر کیسے تجھے ملے ہیں۔ صبح سویرے مالک مکان کی منحوس صورت دیکھنے کو ملی اور پھر اس نے جو گفتگو کی 'اس کے بعد تو وہ روئے زمین پر منحوس ترین آدمی گئے لگا "وہ کچھ میاں اختر۔۔۔" اس نے اشارت کیا۔

ذہین اختر کو صرف اختر پکارے جانے سے بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ توہین کا احساس ہوتا تھا۔ اس کی ذہانت کی نلی جو کی جارہی ہوتی تھی۔

"چھ ماہ سے تم نے کراہ نہیں دیا ہے۔" مالک مکان سمجھتی کہ رہا تھا "مگر تم بے

استخلاص

علی بابا سٹال

نیت روڈ، چوک میر ہسپتال
لاہور، ۷۵۴۳۸۵۲

ISBN 969-8429-14-X

BRADFORD LIBRARIES &
INFORMATION SERVICE

3 1 111 1999

R3

LEN

517 661 187 3

ہاں یہ تو ہے۔ ذہین اختر نے دل ہی دل میں کہا۔ ہوا۔۔۔ اتنی ہوا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں آمدنی طوفان کا پروردہ ہوں۔ اس کمرے میں چھپے کے واقعی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ بیچر ویت سیکڑوں کے حساب سے خریدنے ضروری تھے۔ کھتہ چپ کی کوئی چیز تو کمرے میں فہری نہیں سکتی تھی۔ ہر ہلکی چیز کے پر لگ جاتے تھے۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا کہ ہوا اسے بھی اڑا کر لے جائے گی۔ یہ بات بڑھے کی سمجھ میں نہیں آتی۔

"تم میرے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہو رہے ہو اختر۔" بڑھے سمجھائی نے کہا "ایک ایسا کرائے دار اس کمرے کے لئے میرے پیچھے پڑا ہے جو اس کا کرایہ بارہ سو روپے ماہوار دینے کو تیار ہے۔ تم کرایہ دیتے ہی نہیں ہو اس لئے چار سو روپے ماہانہ کا نقصان بارہ سو روپے ماہانہ کا نقصان بن گیا ہے۔ میں غریب آدمی اتنا نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھ بڑھے کا سارا یہ بلند نگ اور اس کے چوبیس غلیٹ ہی تو ہیں۔"

ذہین اختر نے دل میں حساب لگایا۔ چوبیس نہیں۔۔۔ سولہ غلیٹ۔ ان کا کرایہ 48 ہزار۔ پھر چوبیس منزل کے اوپر آٹھ درجے۔ ان کا کرایہ چھ ہزار چار سو روپے۔ اس غریب بڑھے کی گزر اوقات کے لئے 54 ہزار چار سو روپے ہاتھ لگتی تھے۔ جبکہ اس امیر نوجوان مسی ذہین اختر کو دو ہزار گھنٹہ میں گزارا کرنا ہوتا تھا۔

"..... تمہاری طرف میرے 4800 روپے نکلتے ہیں۔" سمجھائی کہہ رہا تھا۔ چلو میں ان پر فاتحہ پڑھتا ہوں۔ حالانکہ مشکل کام ہے۔ لیا کرایہ دار آئے گا تو ایک سال لگے گا یہ نقصان برابر ہونے میں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کم از کم میرا مستقبل تو محفوظ ہو جائے گا۔ اب میں آخری بات کر رہا ہوں۔ اگر آئندہ ہفتے اسی دن تم نے خود میرا غلیٹ خالی نہیں کیا تو میں تمہارا سامان نیچے پہنچا دوں گا۔ اگر چہ وزن اثنا میرے لئے اچھا نہیں۔"

"سمجھائی صاحب۔۔۔" ذہین اختر نے پہلی بار ذہین سے کچھ کہنا چاہا۔ "اور یہ بھی سن لو۔" سمجھائی نے اس کی بات کاٹ دی "سلمان نیچے میں اس کڑی کے راستے پہنچاؤں گا۔" اس نے کھلی ہوئی کڑی کی طرف اشارہ کیا۔

اس پر ذہین اختر کو اپنی مرفی یاد آگئی۔ چوری کی مرفی۔ کچھ دن پہلے وہ نیچے سے ایک پائوگر آوارہ گرد مرفی پکڑ لایا تھا۔ رات اس نے اسے اپنے کمرے میں رکھا اور صبح کمرے میں بند کر کے کام پر چلا گیا۔ ارادہ تھا کہ رات کے کھانے پر اسے استعمال کرے گا۔ شام کو وہ واپس آیا تو منتقل کمرے سے آئے والی آوازیں سے اندازہ ہوا کہ مرفی اس جیسے جا پر شدت سے اعتراض کر رہی ہے۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوتے ہی جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ مرفی نے نکل بھاگنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ آوارہ مرفیاں بند کمرے میں رہنا کب پسند کرتی ہیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ کمرہ پانچویں منزل پر ہو۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اسے کھن کا احساس ہوا۔ اس نے بڑھ کر کڑی کھول دی اور ہاتھ منہ دھونے کے لئے ملحقہ ہاتھ روم میں چل دیا۔ ذرا سی کھین ہونے کے لئے۔ اس لئے کہ تین کے قیل سے پانی کم ہی برآمد ہوتا تھا۔ زیادہ تر ہوائی نکلتی تھی۔

مرفی کی پہلی آوازیں سن کر وہ منہ دھوئے بغیر لپک کر ہاتھ روم سے نکلا تو دیکھا کہ مرفی کھلی ہوئی کڑی کی چوکھٹ پر چڑھی ہوئی ہے "ہیں۔۔۔ ہیں مرفی نکم یہ کیا کرتی ہو۔" اس نے ہلکا کر کہا اور مرفی کی طرف بڑھنے لگا۔ مرفی نے پلٹ کر اسے ایک آنکھ قلم انداز سے دیکھا اور اس کے قریب پہنچنے سے پہلے کود گئی۔ وہ کڑی کی طرف بچھا۔ پر پھر پہلائی مرفی بہت آہستگی سے تیرتی ہوئی کر رہی تھی۔ وہ سلوموشن ایکشن معلوم ہو رہا تھا۔ نیچے سڑک پر اس وقت بہت لوگ تھے۔ مرفی کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اتنی بلند آہنگ تھی کہ سب اوپر دیکھنے لگے۔ ذہین اختر دروازے کی طرف لپکا۔ اتنی تیزی سے یہ میڑھیاں وہ پہلے کبھی نہیں اڑا تھا۔ مرفی خریدی ہوئی ہوتی تو اس نے یقیناً میڑھیوں سے اترنے کی دھمکتہ کی ہوتی۔ مرفی کے پیچھے ہی کڑی کے راستے اتر گیا ہوتا۔

وہ نیچے پہنچا تو عجیب منظر تھا۔ سامنے جمہوری میں رہنے والی اچھی ہوا سڑک کے کنارے مرفی کو یوں اپنی آغوش میں چھپائے بیٹھی تھیں جیسے مرفی اپنے پروں میں اپنے بچوں کو

چھپاتی ہے۔ وہ اسے چکار رہی تھیں "ارے میری ہنگبری کھلی چلی گئی تھی تو۔ کل سے تجھے تلاش کر رہی ہوں۔" اور گردن شاہیوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔

ذہین اختر شاہیوں کو بٹاتا ہوا تک پہنچا "ہوا" یہ میری ہنگبری ہے تمہاری نہیں۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ہلو کیا میں اپنی ہنگبری کو نہیں پہچانوں گی۔" ہوائے بڑے دھار سے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں ہوا۔ ان لوگوں سے پوچھ لو۔ یہ میرے قلیٹ سے کودی ہے۔" اس کی سانس اب بھی کھجور میں نہیں آئی تھی۔

قماشائیوں نے ہا آواز بلند اس کی تائید کی تو اچھی ہوا بھانگیں "تو اس سے تمہاری ملکیت کس ثابت ہوتی ہے ہاں تم مرلی چور ضرور ثابت ہوتے ہو۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو ہوا۔" اس نے ہانپتے ہوئے احتجاج کیا "میرے تو کپڑے بھی مرلی چوروں والے نہیں۔ کوئی پینٹ شرٹ پن کر مرلی چوری کرتا ہے ہوا ان کے پاس تو چادر ہوتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ یہ تو میری ہنگبری ہے۔" ہوا کے لیے میں قطیعت تھی۔

"دیکھو ہوا ممکن ہے تمہاری ہنگبری میری ہنگبری کی بڑاں بن ہو۔" ذہین اختر نے بے حد قہقہے سے کہا "لیکن یہ میری ہنگبری ہے۔ میرے قلیٹ سے کودی ہے اور میں اتنی تیزی سے بیڑھیاں اڑا ہوں کہ ابھی تک میری سانس درست نہیں ہوئی ہے۔ صرف اس لئے کہ مجھے اس سے عشق ہے۔"

قماشائیوں نے پھر کوئی دلی کہ مرلی واقعی اوپر سے لگی ہے لیکن ہوا مصر حسیں کہ وہ اس کی مرلی ہے "اچھا اسے دیکھو تو۔" ذہین اختر نے اہل کی "کیس مری نہ لگی ہو۔"

اس پر ہوائے بوکھلا کر مرلی کو نؤلا۔ مرلی دم سلا سے پڑی تھی "ہوا جلدی سے چھری لاؤ۔ یہ کیس مری نہ جائے۔" ذہین اختر نے کہا۔ ہوائے مرلی کو چھوڑا اور چھری لینے دوڑ گئیں۔ ان کے آتے ہی ذہین اختر نے مرلی کو ڈنگ کر دیا۔ وہ منٹ بعد وہ فاتحانہ انداز میں ہوا کو مرلی کا دل اور کچلی دکھا رہا تھا۔ "ہوا۔۔۔ اتنے اوپر سے مری تھی کہ

کا دل اور کچلیا پھٹ گئے۔ اب تو مانو گی تاکہ یہ میری مرلی تھی۔" اس نے کہا۔ ہوا اڈبائی آنکھیں لئے اپنی بھونپڑی میں چلی گئیں۔ ذہین اختر مرلی نے کر اوپر چلا آیا۔ مرلی کے دل اور کچلی سے اسے کوئی رغبت نہیں تھی۔ لہذا اسے کسی نقصان کا احساس نہیں تھا۔

اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کھڑکی سے گرائے جانے پر اس کے سائلن پر کیا گزرے گی۔

"یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" ہڈھے سمیٹنے کے بعد "آئندہ ہر تک قلیٹ خالی کرو۔" اس نے ہلکا سا مکمل چھوڑ دیا پھر بے حد غلوں سے کہا "ویسے میری دعا ہے

کہ تم اس وقت تک 4800 روپے کا بندوبست نہ کر سکو۔ اس لئے کہ حساب صاف کر دیا تو میں تمہیں نہیں نکال سکوں گا اور ہر ماہ 400 روپے کا نقصان ہوتا رہے گا۔" یہ کہہ کر وہ دلہے سے نکل گیا۔

آئندہ ہر تک قلیٹ خالی۔۔۔ ذہین اختر کو لگا کہ سیکڑوں چٹیلیں اور ہزاروں بھوت بھیسوں جنم دن کی اس صبح اسے چچ چچ کر مبارکباد دے رہے ہیں۔ انہی برتھ ڈے ٹوپ۔ بھی برتھ ڈے ٹوپ۔ کیا عجیب کتنا خوف ناک دن ہے۔ اس نے سوچا تھا۔

لیکن اس وقت تک ذہین اختر کو صبح معنوں میں اس دن کی خوف ناک کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس دن کے دامن میں اس کے لئے اور بھی بہت کچھ ہے۔

اس روز بھی وہ معمول کے مطابق آدھا کھٹنا لیٹ دفتر پہنچا۔ وہ ایک پرائیویٹ انویسٹمنٹ کمپنی تھی جو کاروبار کے خواہش مند لوگوں کو اپنی شرائط پر قرضے دیتی تھی۔

ذہین اختر نے کمپنی کے مالک احسان صاحب کے ڈرائیور کی حیثیت سے جگہ بنائی تھی۔ وہ ملازمت اسے صرف ایک ماہ کے لئے ملی تھی۔ اس لئے کہ احسان صاحب کا ڈرائیور

شادی کی وجہ سے ایک ماہ کی چھٹی پر تھا لیکن ذہین اختر کو اپنے ذہین اختر ہونے کا یقین تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس میں اتنے گمن ہیں کہ کوئی عقل مند آدمی اس جیسے ملازم کو گنوا نہیں سکتا۔ ہوا بھی یہی کہ ایک ماہ سے پہلے ہی اس نے احسان صاحب پر ثابت کر دیا کہ وہ

ہر فن مولانا ہے اور ہر کام کر سکتا ہے۔ ذرا پیوری ختم ہوئی تو وہ دفتر میں لگا دیا گیا۔ دفتر میں آنے والے خط و کتابت کو فائل کرتے کرتے وہ کہنی کے کاروبار کو بھٹنے لگا پھر غلطی وقت میں اس نے کہنیوں پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ کہنیوں کا کام بھٹ میں آنے لگا تو اس پر کہنی کے راز کھلنے لگے۔

اس صبح وہ دفتر پہنچا تو فوراً ہی احسان صاحب کا بلاوا آیا۔ وہ ان کے کمرے میں گیا اور بلا جھجک ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا "جی احسان صاحب کیا حکم ہے میرے لئے؟"

"حکم نہیں ایک درخواست ہے۔" احسان صاحب نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

ذہین اختر کو ان کے لہجے سے ترقی کی خوشبو آئی محسوس ہوئی "جی فرمائیے۔"

"وہ میں بعد میں سلیقے سے فرماؤں گا۔" احسان صاحب نے کہا اور انٹرکوم پر اپنی سیکرٹری سے کہا "ذہین اختر صاحب کا داؤچ لے کر آؤ۔"

ترقی کی خوشبو میں مال کی خوشبو بھی شامل ہو گئی۔ وہ 17 تاریخ تھی۔ پہلی ابھی بہت دور تھی اور اس کا داؤچ بن گیا تھا۔ بونس یا کیش اپوارڈ؟ کچھ بھی ہو، پیسہ تو جیسے ہی ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں تو یہ اس کی سالگرہ کا تحفہ تھا۔ وہ احسان صاحب کو دیکھ کر مسکراتا رہا۔ وہ پہلے ہی اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

دردانہ کھلا اور احسان صاحب کی سیکرٹری کمرے میں آئی۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں داؤچ بک تھی۔ پوری کائنات مسکرا رہی تھی۔ سیکرٹری نے داؤچ بک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لیجئے داؤچ پر دستخط کر دیجئے۔"

ذہین اختر نے داؤچ پر دستخط کر دیے۔ اس نے صرف رقم دیکھنے کی زحمت کی تھی۔ 1133 روپے 34 پیسے؟ داؤچ بک اس نے سیکرٹری کو واپس کر دی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور کمرے سے چلی گئی۔

"ذہین اختر تمہیں میرے پاس کام کرتے کتنا عرصہ ہوا ہے؟" احسان صاحب نے اچانک پوچھا۔

"چار مہینے ہوئے ہوں گے جناب۔"

"چار مہینے نہیں، تین ماہ سولہ دن۔" احسان صاحب بولے "تمہاری خود اعتمادی پر مجھے رشک آتا ہے۔"

ذہین اختر مسکرایا "آپ کو کیسے اندازہ ہوا سر۔"

"اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ تمہارا انداز منہ سے بولتا ہے۔ پہلے دن تم میرے دفتر میں آئے تو دستک دے کر آئے اور یہاں میز کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ دوسری بار تم نے دستک نہیں دی۔ تیسری بار تم نے پوچھا..... میں بیٹھ سکتا ہوں سر؟ چوتھی بار تم نے پہلے کرسی سرکائی اور پھر یہی بات پوچھی۔ پانچویں بار تم بغیر ہاتھ میرے سامنے بیٹھ گئے۔ چھٹے موقع پر تم نے بیٹھنے ہی کہا..... میری چائے آنے ہی والی تھی جناب..... ساتویں بار تم نے کہا چائے تو منگوائیے سر۔"

"آپ کا مشاہدہ زبردست ہے جناب۔" ذہین اختر نے داد دی۔

"شکریہ اور ہاں ذہین اختر۔ تم اسم بائلی بھی ہو۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"آسان سی بات ہے۔ تم بلا کے ذہین ہو اختر۔ ڈھالی مینے میں تم نے ہمارے کام کے سسٹم کو سمجھ لیا۔ اس کی ہار یکیاں تک سمجھ لیں۔ اب تم کہنیوں پر بھی آپریٹ کر سکتے ہو۔ اب تم اس قاتل ہو گئے ہو کہ اپنا کاروبار بھی شروع کر سکتے ہو۔"

"آپ کی ذمہ داری ہے سر۔ ورنہ میں کس قاتل ہوں۔"

"اب میں وہ درخواست کروں گا جس کا میں نے ابتدا میں تذکرہ کیا تھا۔" احسان صاحب نے لمبائی سانس لے کر کہا "وہ درخواست یہ ہے ذہین اختر کہ تم اس دفتر کا بیچھا چھوڑ دو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی ذہانت خود اعتمادی اور دیگر صلاحیتیں یہاں ضائع کرو۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے اور میں تمہاری اور اپنی بہتری چاہتا ہوں۔"

ذہین اختر گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس کے ہونٹ ہلے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔

"یہ داؤچ تمہاری آج تک کی تنخواہ کا تھا۔ اب تمہیں دفتر میں دکنے کی ضرورت نہیں۔ میری طرف سے آج کی چھٹی کاغذیں قبول کرو۔"

"لیکن سر! یہ تو زیادتی ہے۔"

"میں نے تو تمہاری بہتری کا سوچا ہے۔ میں نے کہا تاکہ اب تم اپنا کاروبار بھی کر سکتے ہو۔ میں تمہاری ذہانت اور صلاحیتوں کا قائل ہو گیا ہوں۔"

"مگر میں تو بالکل تلاش ہوں جناب۔"

"سراپا ہماری کمپنی سے لے لو۔ کسی دوسرے سے قرضے کی درخواست دلا سکتے ہو تو خود اپنا ہی نہیں کر سکتے۔" اسے پہلی بار احسان صاحب کے لیے میں طرک کا شاہجہ محسوس ہوا۔

ذہین اختر کا چہرہ فٹ ہو گیا۔ اس نے ایک شخص کو قرضہ لینے کی ترکیب بتائی تھی۔ اس کی درخواست کمپنی کے پاس تھی۔ قرضہ منظور ہو جاتا تو وہ شخص اسے پچاس ہزار روپے دیتا لیکن احسان صاحب کو کیسے معلوم ہوا۔ اب تو وہ قرضہ منظور بھی نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا "سر! میں تو قرضہ اپنا ہی کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔"

"اہلیت تو وہ شخص بھی نہیں رکھتا جس نے ہمارے مشوروں کی روشنی میں قرض کے لئے درخواست دی تھی۔" احسان صاحب نے طرہ لہجے میں کہا۔

"لیکن سر! آپ مجھے کیوں نکل رہے ہیں؟ میرا قصہ کیا ہے؟"

"ذہانت۔" احسان صاحب نے کہا اور مسکرا دیے "بہت ذہین ملازم کسی کاروباری کو اچھے نہیں لگتے پھر تم تو غیر معمولی ذہین ہو۔ اتنے کم وقت میں سسٹم کو سمجھ لینا۔ بلکہ اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا بے حد خطرناک ہے۔ تم تو ہمارا دوا لیا نکل دو گے میاں اختر۔"

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں سر۔ میں تو....."

"صرف تجربہ کرنا چاہتے تھے۔" احسان صاحب نے اس کی بات پوری کر دی "میں اختر میں اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میرا یہ فیصلہ آخری ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔" انہوں نے میز پر رکھی ایک قائل کھولی اور اس کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔

چند لمحے بعد انہوں نے نظریں اٹھائیں اور اسے دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا "ارے"

تم مجھے نہیں؟"

"جیہوں کا انتظار کر رہا ہوں سر۔"

"ارے وہ..... تمہیں شاید یاد نہیں کہ تم کمپنی سے ڈیڑھ ہزار روپے ایڈوانس نے چکے ہو۔ تمہاری آج تک کی تنخواہ وضع کر کے بھی کمپنی 366 روپے 66 پیسے کے خسارے میں ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ وہ میں اپنی جیب سے پورے کردوں گا۔ اب تم جاؤ۔"

ذہین اختر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی لیکن احسان صاحب کے چہرے کے اثرات سے اسے اندازہ ہو گیا کہ بحث کرنا لا حاصل ہو گا۔ وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"سنو ذہین اختر! احسان صاحب نے عقب سے اسے پکارا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا "میں نہیں چاہتا کہ تم خالی ہاتھ جاؤ۔"

ذہین اختر کو امید ہوئی کہ شاید کچھ مل ہی جائے۔

"میں تمہیں ایک بے حد قیمتی مشورہ دے رہا ہوں۔" احسان صاحب نے کہا "تم چٹاک ہو۔ لیکن جتنے چٹاک ہو 'مقابلہ' پر خود کو اس سے زیادہ چٹاک ثابت کرتے ہو۔ یوں تم بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خطرناک حد تک پہنچی ہوئی ذہانت اور چٹاک کی کو کوئی ہند نہیں کرتا۔ خود کو چمپا کر رکھا کرو اور بے وقوف نظر آنے کی کوشش کیا کرو۔"

ذہین اختر دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ اس کا رخ کمپیوٹر سیکشن کی طرف تھا۔ کمپیوٹر آپریشنر اسد سے اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی لیکن اس روز اسے دیکھتے ہی اسد کے چہرے پر ہوائیں اڑنے لگیں "یار! ذہین! تم یہاں کیوں آ گئے۔" اس نے بلبل کر کہا "میرا میری نوکری بھی تھل کر اڑ گئے۔"

"کیا مطلب؟"

"پاس کا حکم ہے کہ تم ایک منٹ بھی دفتر میں نہ رو۔" اسد نے کہا "خدا کے لئے چلے جاؤ۔"

ذہین اختر خاموشی سے دفتر سے نکل آیا۔

اب اسے ایک بجے تک وقت گزاری کرنا تھی۔ ایک بجے اسے عاقلہ سے ملنا تھا۔ وہ ہمیشہ لُنج ساتھ ہی کرتے تھے۔ وہ ایک پارک میں جا بیٹھا۔

اس کی سوجوں میں تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اب وہ بے روزگار تھا۔ دو ہزار روپے ماہانہ کا آسرا بھی گیا۔ یہ اس منحوس سالگرہ کا دو سرا عقد تھا۔ اسے لگا کہ کائنات کی تمام بلائیں مل کر پیچ رہی ہیں۔ پہلی برتھ ڈے ٹویو۔ پہلی برتھ ڈے ٹویو۔

ایک بچے میں دس منٹ پر وہ پارک سے نکلا اور اس ریسٹورنٹ کی طرف چل دیا جہاں وہ اور عاقلہ روز کھانا کھاتے تھے لیکن ثابت ہوا کہ وہ دن کسی اعتبار سے اچھا نہیں۔ وہ ریسٹورنٹ کے باہر کھڑا رہا۔ عاقلہ ایک بیچ کر میں منٹ پر آئی "سوری ذہین" اس نے اس کے شکایت کرنے سے پہلے ہی کہا "آج کام بہت ہے۔ چلو جلدی سے کھانا کھالیں مجھے دو بجے دفتر واپس پڑنا ہے۔"

وہ ریسٹورنٹ میں چلے گئے۔ عاقلہ نے کھانے کا آرڈر دیا پھر بولی "ذہین! آج ہم آخری بار ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔"

ذہین اختر کو اس دن سے کوئی اچھی امید نہیں تھی پھر بھی اسے شاک لگا "کیا کہہ رہی ہو؟ کیوں؟"

"اس لئے کہ میں شادی کر رہی ہوں۔" عاقلہ نے سادگی سے کہا۔

"شادی؟ کس سے؟"

"اپنے پاس سے۔"

"اس بڑے کھوسٹ سے؟"

"وہ بڑھا کھوسٹ اور بپتی ہے۔"

دیگر کھانا رکھ کر چلا گیا "کھانا کھاؤ۔ اور میری بات غور سے سنو۔" عاقلہ نے کہا۔

ذہین اختر نے برائی کی پلیٹ جلدی سے اپنے سامنے سے سرکائی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں کھانے سے ہی محروم نہ ہو جائے۔ یہ دن ہی ایسا منحوس تھا۔ جو طے تھیٹ لو پھر نہ

جانے کیا ہو۔ کیا پانچ رات کا کھانا ہی نہ ملے۔

"وہ مجھے بنگا دے گا۔ آراستہ و بجا است بنگا اور وہ بنگا میرے نام ہوگا۔" عاقلہ نے کہا "میرا جیب خرچ پچاس ہزار روپے ماہانہ ہوگا اور میرا پچاس لاکھ..... یہ سب کچھ مجھے کہیں اور سے نہیں مل سکتا۔"

"لیکن وہ نعمت پڑھا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ جب بھی وہ میرے لئے ناقابل برداشت ہوا میں اس سے طلاق لے لوں گی۔" عاقلہ نے بے پروائی سے کہا۔

یہ مغرب نہیں "شرقی ہے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں طلاق نہیں مانگوں گی ورنہ میرے محروم ہو جاؤں گی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ میرے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تو میں اس کے لئے ناقابل برداشت ہو جاؤں گی پھر وہ مجھے طلاق دینے پر مجبور ہو جائے گا۔ بس اتنی سی کہانی ہے۔" "لیکن عاقلہ! میں اور تم....."

عاقلہ نے اس کی بات کاٹ دی "میں نے اور تم نے ساتھ سفر شروع کیا تھا۔" وہ بولی "ہماری منزل بھی ایک ہے۔ اب مجھے منزل مل رہی ہے تو تمہیں تو طوفان ہونا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں بھی منزل مل ہی جائے گی۔"

"لیکن عاقلہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ذہین اختر کی کم ہی بولتا تھا لیکن یہ دونوں باتیں سچ تھیں۔ "میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں ذہین لیکن تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ کم از کم فی الوقت نہیں۔ دیکھو! میں حقیقت پسند ہوں۔ ایک بھوکا دوسرے بھوکے سے ملتا ہے تو بھوک میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بھوک + بھوک = بہت زیادہ بھوک۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی کسی دولت مند عورت کو پچاس لو۔"

"میں خود کو یوں فروخت نہیں کر سکتا۔" ذہین اختر نے غصے سے کہا۔ برائی کی پلیٹ خالی ہو چکی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ تم مرد ہو۔ محنت کر سکتے ہو۔ لیکن میرے پاس حسن اور 22 سال کی عمر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں پیشہ رہنے والی نہیں۔ جتنی جلدی کیش کر لو اتنا ہی اچھا ہے۔ ممکن ہے کبھی ہم مل سکیں لیکن ابھی یہ ممکن نہیں۔ تم میری باتوں پر حقیقت پسندی سے غور کرنا۔"

"مگر میں تم سے اس سلسلے میں مدد لے سکتا ہوں۔"

"اس کا کچھ فائدہ نہیں ڈیجین۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔" عاتقہ نے گھڑی میں وقت دیکھا "ارے اتنی دیر ہو گئی مجھے دفتر بھی پہنچنا ہے۔" اس نے پرس کھول کر اس میں سے ہزار کا نوٹ نکالا "تم مل ادا کر دینا۔ اچھا ڈیئر ادا۔" یہ کہہ کر وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دینے بغیر ریسنورٹ سے نکل گئی۔ وہ سالگرہ کا تیسرا تحفہ تھا۔

ڈیجین اختر ہزار کا وہ نوٹ عاتقہ کے منہ پر مارنا چاہتا تھا لیکن ایک تو عاتقہ نے اسے موقع ہی نہیں دیا تھا۔ دوسرے وہ بنایا ہے روزگار ہوا تھا۔ ایسے میں وہ رقم اس کے کام آئی۔ امدادی جذباتیت کا وہ قائل بھی نہیں تھا۔

ریسنورٹ سے نکل کر وہ آوارہ گردی کرتا رہا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں سے گزرا ہے اور کس طرف جا رہا ہے۔ بچہ نہیں ہے مقصد پھرتے پانچ بج گئے۔ دفتر سے پھٹی کا وقت ہو گیا۔ وہ برنس روڈ چلنے والی لیکن میں بیٹھ گیا۔ بیٹھ گیا گیا کھڑا ہو گیا۔ گاڑیوں میں بیٹھنے کی جگہ کہاں ملتی ہے۔

کنڈیکٹر نے کراہے مانگا تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کا دل جیسے بند ہو گیا۔ اس نے سوچا ممکن ہے پیسے کسی اور جیب میں رکھ دیے ہوں لیکن پیسے کسی جیب میں نہیں تھے۔ اس نے ایک ایک جیب ٹٹولی "ارے میری جیب کٹ گئی۔" اس نے مری مری آواز میں کہا۔

کنڈیکٹر نے لیکن کی دیوار پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے فریو لگایا "استو بریک لگاؤ۔ ایک ڈرامے کو اتارنا ہے۔"

ڈیجین اختر کا چہرہ تھما اٹھا۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ کنڈیکٹروں کا رویہ ہمدردانہ

ہوتا ہے وہ کرائے کا مقابلہ نہیں کرتے۔ خاص طور پر معزز لوگوں کے ساتھ اور وہ سچینا معزز لگ رہا تھا۔ ابھی صاف ستھری پوسٹ شرٹ میں لیکن یہ دن ہی منحوس تھا۔ لیکن رک مٹی "اتر جلاؤ۔" کنڈیکٹر نے کہا۔

لیکن کے تمام مسافروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک ایک کو رحم طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ کئی بار اس نے دیکھا تھا کہ ایسے موقع پر کسی ساتھی مسافر نے کنڈیکٹر کو کراہے دے کر جیب کترے کے نکال کر جان چھڑادی تھی لیکن وہ دن واقعی بہت منحوس تھا۔ اس کی مدد کو کوئی نہیں بڑھلا۔

وہ لیکن سے اترا اور پیدل چل پڑا۔ سالگرہ کا چوتھا تحفہ!

وہ ساڑھے چھ بجے گھر پہنچا تو ممکن سے غور ہو چکا تھا۔ وہ پیدل بھی تو بہت چلا تھا۔ لیکن سے تو اسے بہت بعد میں اتارا گیا تھا۔ وہ تو اس سے پہلے بھی کم از کم تین گھنٹے پیدل چلتا رہا تھا۔ لیکن سے اتارے جانے کے بعد تو اسے ایک قدم اٹھانا بھی دو بھر لگا تھا۔ اب بلڈنگ کے سامنے پہنچ کر ایک سو چار میٹریوں کا تصور کر کے اس کے دماغ کو جھجکا گئے۔ کچھ دیر وہ نیچے لوگوں سے گپ شپ کرتا رہا۔ محض سانس درست کرنے کے لئے۔ مغرب کا وقت ہونے لگا تھا۔

آخر کار وہ اہمیت کرنے چلا اور اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے لائٹ آن کی اور ہاتھ روم میں چلا گیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ سالگرہ کا پانچواں تحفہ۔ اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے گھڑی بھی نہیں کھولی۔ وہ اور کوئی تحفہ وصول کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ آج وہ گھڑی کھولے گا تو ہوا بھی نہیں آئے گی۔

وہ دیر تک کرسی پر بیٹھا اس روز کے واقعات پر غور کرتا رہا۔ امداد مگر ہوتا گیا۔ اسے وقت کا احساس ہی نہیں تھا۔ وہ سوچے جا رہا تھا یہ کیا جنم دن ہے اور وہ بھی جیسواں جنم دن۔ ایسا جنم دن کہ زندگی کا اگلا دن بھی گزارنا ناممکن معلوم ہو رہا ہے۔ جیب بالکل خالی ہے۔ اس کی جیب میں اپنے تین چار سو روپے تھے مگر عاتقہ کے پیسوں کے ساتھ وہ بھی صاف ہو گئے تھے۔ اب اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔

اجانک سے بھوک کا احساس ہوا۔ جیب خالی ہو تو بھوک بہت زیادہ لگتی ہے اور بہت زیادہ مدد بھی ملتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ آج رات بھوک اسے بہت ستانے کی اور رات کی پہلی تو صبح کا آسرا بھی نہیں۔۔۔۔۔

ایک سرلی آدرے اسے چوکا دیا "کیوں پریشان ہو رہیں اختر؟"

ذہیں اختر کے حال تو ضرور کھڑے ہوئے لیکن اس نے اس آواز کو نظر انداز کر دیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ کھڑکیاں بند تھیں۔ اندر کوئی نہیں آسکتا تھا۔

"تہی پر تھ ڈے ذہیں اختر۔" سرلی آواز پھر بتاتی دی۔

اس بار میں اختر نے سرگم کرنا شروع کر دیا۔ اسے صرف اتنا احساس ہوا کہ کمرے میں گہرا اندھیرا ہے۔ کچھ نظر آئے تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

"میں یہاں ہوں ذہیں اختر۔ تمہارے پیچھے۔"

ذہیں اختر نے پلٹ کر دیکھا اور دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ اسے ایک بے حد روشن سوالی چہرہ نظر آیا۔ اس چہرے کے سوا، کچھ نہ دیکھ سکا۔ وہ جتنا کسی گہرے رنگ کے لباس میں ہوگی وہاں اندھیرے میں نظر نہیں آسکتا تھا۔ وہ اس چہرے کو فور سے دیکھنا رہا۔ وہ غیر معمولی چہرہ تھا۔ اس سے روشنی کی شعاعیں پھرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ حد خوب صورت تحصیل کی گہری آنکھیں تھیں۔ جس میں اس گہرے ستارے سے جھللاتے نظر آ رہے تھے۔

جب ہی یہ امید حوال آئی کہ اس ماحول کے اقتدار میں ڈوب جائے تو وہ تصور کے دور پر پہنچے روشن خیال۔ تراشنا ہے۔ ذہیں اختر نے سوچا۔ وہ اس چہرے کو نکلتی بات سمجھ گیا۔ "سب اب غائب ہو جائے۔ میں نے تمہاری حقیقت سمجھ لی ہے۔" وہ بڑبڑایا لیکن وہ چہرہ غائب نہیں ہوا۔ ذہیں اختر نے پوری قوت سے اپنی گدی پر ہاتھ مارا لیکن اب بھی کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

چلتے سیدات کھلے۔۔۔۔۔ جھلکے۔ وہ مسکرا رہی تھی "یقین نہیں آ رہا ہے؟" پھر وہی سرلی آواز۔

"تم ہو کیا؟"

"ہاں میں دہی ہوں۔"

ذہیں اختر نے اختیار مستحکم اڑانے والی ہنسی سے لگا۔ صرف چہرہ نیچے کچھ بھی نہیں۔ اس نے سوچا۔

اسی وقت رات تھی۔ روشنی تھی تیز تھی کہ اس کی آنکھیں چند صبر کیں۔ اس نے آنکھیں نہ دیکھیں۔ اسے یقین تھا کہ اب آنکھیں کھولے گا تو وہ وہاں غائب ہو چکا ہوگا۔ کوئی دہی روشنی نے سہنے نہیں کھڑکیاں۔ یہ سب اندھیرے کے کھیل ہیں اور جہالت اور ضعیف افق پر بھی اندھیرا ہی ہوتی ہے۔

لیکن اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ بدستور اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اب وہ صرف چہرہ میں کھل تھی۔ وہ بہت خوب صورت سرخ لہجہ تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ کسی دوسرے سے بھی وہ دائم میں لگ رہی تھی۔

ذہیں اختر پلٹ کر دروازے کی طرف گیا اور اسے چیک کیا۔ دروازہ منقل تھا۔ کوئی دہرے اسے کس طرف ملتا تھا۔ وہیں آکر اس نے کھڑکیوں کو دیکھا۔ وہ بھی بند تھیں۔ فوراً ہی وہ سمجھنے لگا کہ اندر میں مسکرایا۔ پچیس منٹوں کی گزری تھی لیکن فرق چمک رہی تھی اور آسکتا ہے۔ جہاں یہاں کوئی چھوٹی نہیں۔

لاکی مسلسل سے کچھ چاہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ملوث مسکراہٹ تھی "یقین نہیں آ رہا ہے میرے وجود پر؟" اس نے پوچھا۔

"اگلی تہ۔" ذہیں اختر نے ہمارے لڑکی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے ہاتھ سامنے تھے۔ وہ رات تھی۔ وہ سے غور سے دیکھتا تھا۔ وہم تا مل تو نہیں ہو سکا۔ وہ ایک بے حد حسین لڑکی تھی۔ اسے غریب نظر آئی وحش امید۔

"اتنا گھبراہٹ کیوں کچھ رہے ہو؟" لڑکی نے انھار کرنا۔

"میں جانتا ہوں۔" ذہیں اختر نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر لڑکی کے بازو پر پوری قوت سے چپکی بھری۔ لڑکی کی سرلی پیچ ہاتھ ملتی تھی "یہ کیا بد تمیزی ہے؟" لڑکی نے غصے

سے کمال

"یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ یہ خواب میں ہے۔" ذہین اختر نے ملاوٹی سے کمال لڑکی تکلیف میں تھی۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اپنے بازو کو اسی جگہ سلا رہی تھی جہاں وہیں اختر نے چنگی بھری تھی "آئی یہ یقین کرنے کے لئے اپنے چنگی بھرتا ہے۔" اس نے تکی سے کمال۔

"میں اپنے چنگی بھرنے کا قائل نہیں۔ اپنی تکلیفیں ویسے ہی تم نہیں کہ میں ان میں اور اضافہ کروں۔"

"تم بہت بد تمیز اور غیر مددب آدمی ہو۔ مجھے انہوں ہے کہ میری ذہنی تم پر نکلی مکی۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔" وہیں اختر نے کہا پھر پر حیاں مجھے میں بولا "تو تم وہم نہیں دیو گی ہو؟"

"تم دیکھ ہی رہے ہو۔"

"میں صرف دیکھ رہی نہیں ہیں کرتا۔ پر کچھ والا آدمی ہوں۔" وہیں اختر نے کہا اور اس کے بیلے بالوں کو قہار کر پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ کئی مٹلے دیے۔ دیو گی بری طرز تھیں۔ وہ بڑی تھی "گنتی تو اصلی ہی ہو۔" وہیں اختر نے کہا "لیکن میں دیو اور دیو ہوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

دیو کی ماپور وجودا سسکیں سے مر رہا تھا "تم بہت ظالم آدمی ہو۔" وہ کہہ سکتے ہوئے ہوں "تم کسی حکام کے مستحق نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن اپنے معاملات وہ ہی چالے۔"

وہیں اختر اب جھٹھے میں تھا۔ یہ سب کیا ہے؟ اس کا داغ کار نہیں کر رہا تھا۔ پہلے تو تا خراب وہ گزرا اور اب یہ مہیبت۔ یہ ہو کیا رہا ہے "لیکھو بے بی اپنی اس ریارتوں پر مجھے انہوں ہے۔" اس سے کہہ اس کے نیچے میں نصف ہرگز نہیں تھا "لیکن بہترینی ہے کہ کچ بچ بتا دو۔ تم کوں ہو۔ میں دیو ہوں کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ وہ

صرف کماتوں میں ہوتی ہیں اور قلیل میں۔"

"ٹھیک ہے بتاتی ہوں۔" دیو نے کہا۔ اب اس کی سسکیاں قہم مکی تھیں "میں تمہاری خوش قسمتی ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوں۔ یہ اس کی مصلحت ہے کہ اس نے مجھے انسانوں کے پسندیدہ ترین لیکن غیر حقیقی روپ میں تمہارے پاس بھیجا۔ تم بہت خوش نصیب ہو۔ ورنہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔"

"یہ میں جانتا ہوں کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں۔" وہیں اختر نے تکی سے کہا "یہ بتا ہوں کہیں آئی ہو؟"

"خوش قسمتی کیوں آئی ہے کسی کے پاس۔" دیو نے چ کر کہا "انسان کو مستقبل سوار نے کاموقع دینے کے لئے۔ یہ نصیب انسان اس کی قدر نہیں کرتا اور اپنے مستقبل کو ہمیشہ کے لئے تاریک کر لیتا ہے۔ بیشتر لوگوں کے دروازے پر میں دستک دیتی ہوں مگر وہ سوتے ہی رچے ہیں اور میں نین ہار سے زیادہ کسی دروازے پر دستک نہیں دیتی۔"

"تقریباً بہت اچھی کرتی ہو۔" وہیں اختر نے کہا "میں پوچھ رہا ہوں کہ میرے پاس کس لئے آئی ہو؟"

"آج تمہارا پچیسواں جنم دن ہے۔ میں تمہیں سالگرہ کی مبارکباد اور سالگرہ کا تحفہ دینے کے لئے آئی ہوں۔"

"مبارکباد تم نے دے دی۔ میں نے قبول نہیں کی۔ دن بھر مجھے ایسی مبارکبادیاں ملی ہیں کہ مبارکباد سے دس ڈبلے لگا ہے۔ اب بہت کرو چلے گی۔ اگر کوئی دھنگ کا تحفہ ہے تو مجھے دے دو۔ ورنہ اپنا راستہ غلط۔" وہیں اختر نے اس کے سامنے ہاتھ بچھا دیا۔

"تحفہ ایسا نہیں کہ ہاتھ میں دیا جائے۔" دیو نے کہا "میں تمہارے لئے تین خواہشوں کی منظوری لے کر آئی ہوں۔ تم بھی چاہو تھیں جو شیں کہو وہ چوری ہو جائیں گی۔"

"سنو لڑکی تم مجھے کوئی بہت بڑا سا شنگ فراڈ معلوم ہوتی ہو۔" ذہین اختر نے

موت لے لے میں کہا "تمہارے وجود کی اس سے بہتر وجہ میں نہیں کر سکتا۔"
 "بد نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں کرتے۔" دیوی نے
 فلسفیانہ لہجے میں کہا "خیر تم اپنی تین خواہشیں بیان کرو اور میری حل چھوڑو۔"
 "میں بار بار کرتی رہی ہوں۔ لیکن تمہارے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ لیکن تمہاری خوش
 قسمتی ہے کہ میں عورت پر ہاتھ اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔" وہیں اختر نے سر لہجے میں
 کہا "مگر بندہ بشر ہوں۔ میرا ضبط جواب دے سکتا ہے۔ اسی لئے تمہاری عاقبت کی خاطر
 میں خواہش کرتا ہوں کہ تم یہاں سے فوراً دفع ہو جاؤ۔"

یہ الفاظ ادا ہوئے ہی تھے کہ دیوی سارے کھڑے کھڑے ہوں غائب ہو گئی جیسے کہ
 موجود ہی نہیں تھی۔ وہیں اختر آنکھیں پھاڑے اس حال میں کہ وہ دیکھتا رہا۔ اچانک دیوی کی
 سرلی آواز ابھری "تم بہت گھنیا اور چھوٹے انسان ہو دو ہیں اختر۔ اور گھنیا ہیں اور چھوٹا ہیں
 بد قسمتی کی علامت ہوتا ہے۔ تم نے اپنی ایک قیمتی خواہش اپ گھنیاہوں کی نذر کر دی۔
 مجھے اس بات کی خوشی ہے۔ تم اس کے مستحق تھے۔ میں کسی انسان کے پاس جاتی ہوں تو
 مجھے اس سے محبت ہوتی ہے۔ تم پہلے انسان ہو جس سے مجھے نفرت ہوئی ہے۔ بد قسمتی
 سے تمہارا اور میرا تعلق ابھی ختم نہیں ہو ہے۔ تمہارا وہ خواہشوں کا کوئی ابھی باقی ہے۔
 سب طلب مل ہو "تیس بار تان بھلائے میں آوازوں کی فاش آواز جلدی ہو جائے۔"

کہ۔ میں خاموشی چھاتی۔ میں اختر اس خود فریبی پر غور کرتا رہا۔ وہ قریب
 بھری بھی تھا اور سہمی بھی۔ اس کے اندر وہ دبا ہوا خیال تھا کہ یہ سب حقیقت بھی ہو سکتا
 ہے لیکن وہ سنے زمانے کا ردش حیاں آدمی تھا۔ جانتا تھا کہ اس پرے وقت میں اسے
 وقت کو مٹانے کی کوئی ترکیب سوچی ہے۔ خود فریبی میں وقت ضائع کرنا اس وقت میں
 مکمل تباہی اور موت کے مترادف ہے۔ اس وقت تو اسے کسی قریب میں جلا ہوئے کے
 بجائے اس مشکل سے نکلنے کی کوئی ترکیب سوچتی ہے۔

لیکن وہ کچھ سوچ نہیں سکتا۔ اسے پتہ نہیں تھا۔ صوبہ جب اپنے پوتے بڑے
 دانوں سے جسم کے اندر فانی ہے تو اس کا چھوٹا چھوٹا دماغ ہے۔ اسے بھوک لگ رہی

تھی لیکن کھانا ملنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ کسی سے پیسے بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ وہ
 پوری رات میں سو سکا۔ بستر پر لیٹا تو کروٹیں بدلنے لگتا۔ بے چینی بڑھتی تو اٹھ کر کھانے
 لگتا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ رات کے کھانے سے محروم مصدا اب ناشتے کا سوال کر رہا
 تھا اور ناشتے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے پاس اپنی دست و پاچہ سمیت کچھ
 چیزیں تھیں "میں وہ فروخت کر سکتا تھا لیکن ایک تو یہ مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔" گے
 نہ جانے کیا وقت آئے تب ایسا ہو کہ یہ آسرا بھی۔ رہے۔ دوسرے وہ جانتا تھا کہ ہزار
 کی چیز کے سو بھی نہیں میں گے۔ اور لٹتا ہے وقوف بنانا سے پسند نہیں تھا۔

تو پھر کیا ہو؟ بھوک اسے یوں بے حل کئے دے رہی تھی کہ لگتا تھا اب وہ گر
 پڑے گا۔ ایسے میں اسے عاقلہ کا خیال آ گیا۔ ہاں اب وہ اس کے لئے امید کی آخری کرن
 تھی۔



سڑھے آٹھ بجے وہ اس راستے پر کھڑا تھا جس سے گزر کر عاقلہ اپنے دفتر جاتی
 تھی۔ وہ خاصی دور کھڑا ہوا تھا۔ یہ ضروری تھا اس لئے کہ عاقلہ اسے اپنے پاس سے
 شہر کی کے متعلق پتا چکی تھی۔ بلکہ اس نے تو اسے فون تک کر کے منع کر دیا تھا۔

وہ ایک درست کے ساتھ کھڑا انتظار کرتا رہا۔ نو بجنے میں پانچ منٹ پر وہ اسے آتی
 دھانی آئی۔ پینڈ بیگ اس کے کندھے سے بھروسہ رہا تھا۔ امداد میں وہی مخصوص بے
 یاری تھی جو مردوں کو اسے ہار ہار دیکھنے پر اکساتی تھی یہیں اسے جڑ جانتا تھا کہ وہ یہ
 باری صرف ظاہری ہے۔ وہ اور دگر وجود ہر مرد کو اچھی طرح دیکھ رہی ہوتی تھی۔

وہ قریب آئی تو اس نے اختر اچانک اس کے سامنے آ گیا "بیو ڈ رنگ۔" اس نے

عاقلہ اسے کچھ ہڑلائی۔ میرا یہی طور پر اس کے قدم مست پڑ گئے "میں نے
 نہیں منع کیا تھا۔" اس نے بوجھ بوجھ دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یاد ہے لیکن یہ ضروری تھا۔ میں بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ صرف تم

لیکن تمہارے پیچھے سر فادرانا شہید ہو گیا کہ تمہارے روپے کا فیصلہ پہلے ہو گیا۔ اس سے چائے کی پیانوں اور ایک ایک گھونٹ سے اس طرح لطف اٹھایا کہ تمہارے روپے کی چائے کی لذت تمہارے روپے تک پہنچ گئی۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ بھوک کم اور کم کھانے دو گھنٹے کے لئے دب گئی۔

ایک سو چار بیڑیوں کا غلابا تحصیل زرہہ اوپر پہنچا۔ کھڑکیں کھول کر وہ چنگ پرار ہو گیا۔ ہوا کے جھونکے آئے تو سر کا درد دور ہو گیا۔ ہونے ہی تھپک تھپک کر اسے سہارا دیا۔ آگے کھلی تو اڑیڑھ چنگا تھا۔ وہ بھوک کے احساس سے جاگتا شاید بھوک۔ لگتی تو وہ سوتا رہتا اور فون کا وقت بھی نکل جاتا۔

میرے ہاتھ دھو کر وہ نیچے آیا۔ ٹھیک دو بجے وہ پبلک ہال آفس میں داخل ہوا۔ اس نے عاتقہ کا ہوں بہرہ دیتے ہوئے بہرہ ملانے والے سے کہا "سو بھٹی۔ میرے پاس صرف ایک ہال کے پیسے ہیں۔ اس لئے ہال کا نام پورا ہوتے ہی رابطہ منقطع کر دیتا۔"

تمہارے واسے واسے ہمارے ہمارے ہمارے دیکھا نہیں کما چم نہیں۔ بہرہ ملانے کا "آپ پلے اس ہاتھ میں چلے جائیں۔" اس نے اشارہ کیا۔

دیں خیریشے سے بنے اس ہاتھ میں چلا گیا۔ بہرہ ملانے والے کے اشارے پر اس سے ریسیور اٹھا کر ہال سے لگا دیا۔ باہر بہرہ ملانے والے نے ریسیور ریڈ پر رکھ دیا۔

"ایم۔" دوسری طرف سے عاتقہ کی آواز ابھری۔

"عاتقہ! میرے پاس صرف ایک ہی ہال کے پیسے ہیں۔" وہیں اختر نے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم پر کیا افتادہ پڑی ہے۔" عاتقہ کے لیے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"ہل سے اب تک ہتا سیں کیا یا ہو چکا ہے میرے ساتھ۔" وہیں اختر جلدی جلدی ہوں رہا تھا۔ اس کی نظریں کلائی پر بدھ گھڑی پر تھیں۔ "ہالک رہیں۔ کل مجھے ایسا ہیٹے ہائوس دیا۔ چر تک میں۔ چھ ماہ کا کرایہ ۱۰ سیں یا تو وہ میرا سا ہی نہ ہو۔ کھڑکی کے رستے باہر پھینک دے گا۔"

"تمہارا کیا جائے گا۔" عاتقہ نے ہستے ہوئے کہا "تمہارا سلسلہ تو میں دیکھ چکی ہوں۔"

وقت کہ تھا۔ اس لئے وہیں اختر نے اس جملہ مسترحہ کو نظر انداز کر دیا "پھر کل ہی مجھے نوکری سے نکال دیا گیا۔ میری تنخواہ ایڈوانس کی حد میں کات لی گئی۔ مجھے دفتر سے اچلا بھی نہیں ملا۔ تم سے کچھ اوپر رقم میرے پاس تھی۔ ساڑھے نو سو روپے تمہارا براہ کے نوٹ سے بچے تھے۔ کل تم سے ملنے کے بعد وہیں آتے ہوئے میری جیب کٹ گئی۔ مجھے گھر بھی پیدل آنا پڑا۔ کل دوپہر سے اب تک میں نے صرف ایک پیالی چائے پی ہے۔"

"میں نہیں مانتی کہ تمہاری جیب کٹ سکتی ہے۔"

دین اختر کا دماغ گھوم گیا "اے تو کیا میں بھوت ہوں رہا ہوں؟" وہ چلایا۔

"میرے خیال میں تم اسے ڈرانا کرنا کہتے ہو۔" عاتقہ نے سراپے میں کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں عاتقہ۔" وہیں اختر نے لہجہ نرم کر دیا "اور۔ میں اس وقت تم سے تمہاری ٹکنہ شادی کے بارے میں بحث کر رہا ہوں۔"

"تھک سیں یہ شادی اس لئے کو سچ ہو رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نہیں دھو سیں کر سوں گی اور اس میں بحث کی گنجائش نہیں۔ تم خوب جانتے ہو کہ ہم نے کس قسم کے لئے سم شہد کیا تھا۔ میں عاتقہ ہوں اور تم دین ہو سیں پس نہ ہو تو حمل ہو رہا ہوتا بھی ہے۔ یہ تم بھی جانتے ہو پلے میں دوست حاصل کر لوں پھر اپنی عقل استعمال کروں گی اور ممکن ہے کہ میری عقل اور تمہاری ہانت ہا کھی میل ہو جائے۔"

"وہ تو جب ہو گا کہ میں زندہ رہوں۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"سیں سمجھیں۔ مجھے ملنے والی ضرورت ہے۔ کچھ عمارتیں گاہ زندہ رہوں گا تو کوئی دوسری ملازمت تلاش کر سوں گا۔ ذہانت استعمال کر سوں گا۔"

"سوری ذہن" میں اس وقت تساری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ پیسے میرے پاس بھی نہیں ہیں۔"

"کیوں جھوٹ بولتی ہو اس بڑھے کوٹ سے شادی کر رہی ہو۔ پیسے کی کیا کمی ہے تمہیں۔"

"یقین کرنا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں۔"

"تو بڑھے کوٹ سے لے کر مجھے دے دو۔"

"دیکھو وہیں اختر" میں شادی کے نام پر کاروبار کر رہی ہوں۔ لیکن کاروبار کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ ابتدائی میں وقار مٹا دیا تو مجھے اس کاروبار میں نقصان ہی ہو گا۔ اور یہ میں نہیں چاہتی۔ میں اس سے کچھ سس مانگوں گی تو مجھے بن جائے سب کچھ ملے گا۔"

"تساری ضرورت ہوتی تو یہ بات بھی نہ کہیں۔" ذہن اختر نے جل کر کہا "تسارا گھنیا پن سامنے آ گیا۔"

"اپنے گھنیا پن کا مجھے اعتراف ہے۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ میری طرح تم بھی گھنیا ہو۔ مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے گھنیا ہو۔ تم نے میرے اس جذبے کو نہیں سراہا کہ کل میرے پاس جو کچھ تھا میں نے سب تمہیں دے دیا۔ یہ سوچ کر مجھے تو منزل مل رہی ہے وہ رقم تسارے زیادہ کام آئے گی۔ اب یہ تساری قسمت کہ تم جیسے آدمی کی نیب کٹ گئی۔ صبح میں نے تمہیں دس روپے دیے۔ اب میرے پاس بمشکل پچاس روپے ہیں اور مجھے تین دن گزارنے ہیں۔"

"میں کیا کروں۔ تم ہی میری مدد کر سکتی ہو۔"

"میں تمہیں ہمارگی ہوں۔"

"تسارا گھنیا پن کوئی غیر معمولی بات نہیں۔" وہیں اختر نے تپ کر کہا "آخر سچ بچی ہوتا۔"

"نے ہا شکریہ۔" عاتق نے جگہ لیجے میں نہ "لیکن تم بھوں گئے کہ تم بھی

دھوبی زانوے ہو۔ میں اور تم ایک جیسے ہیں سطر ایک جیسے خواب اور خواہشیں رکھنے والے ایک ہی منزل کے رہی ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد ہر طرح سے تساری مدد کرتی رہوں گی لیکن اب میں کبھی تساری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ کیٹ لوسٹ۔"

رابطہ کٹ گیا۔ عاتق نے ریسیور کرکٹس پر رخ دیا تھا۔ ذہن اختر چند لمبے یوں کھڑا رہا جیسے جسم بے روح ہو گیا ہو پھر وہ جھکے جھکے قدموں سے بوتھ سے نکل آیا۔

☆-----○-----☆

وہی ایک سو چار سیڑھیاں وہی کرا اور وہی ہوا کے جھونکے لیکن سب کچھ وہں گیا تھا۔ وہ بستر پر دراز تھا۔ عاتق کے منکوں کی کلاٹ اتنی شدید تھی کہ بھوک کا احساس بھی دب گیا تھا۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ پہل اس نے کی تھی۔

دھوبی زانوہاں یہ حقیقت ہے۔ وہ دھوبی زانوہاں ہے اور عاتق متہ بچی ہے۔ دونوں کے مزاج ایک جیسے تھے۔ دونوں نے کم عمری سے ایک ہی جنگ لڑنا شروع کر دی تھی۔ دونوں نے اپنے ماضی سے ... اپنے شجرے سے نانا توڑ لیا تھا۔ دونوں ایک درختوں کی مستعین کی تلاش میں نکلے تھے۔ دونوں پیسے کے دور پر نام و نسب کے داغ مٹانے کی مرض سے نکلے تھے۔ پیسے کا حصول ہی ان کے لئے سب کچھ تھا۔

ان کی پہلی ملاقات کالج میں ہوئی تھی۔ کالج میں دونوں کی ایک سی پوریشن تھی۔ عاتق کالج کی مقبول ترین لڑکی تھی اور وہیں اختر مقبول ترین لڑکا تھا۔ دونوں بے حد امیر و تیر اور مقررہ خانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دونوں دیہات تھے۔ پڑھائی میں بھی بہت تیر تھے۔ پڑھائی پر بہت کم توجہ دیتے تھے اس کے باوجود تعلیمی اعتبار سے نمایاں رہتے تھے۔ اگر ان کی پوری توجہ تعلیم پر ہوتی تو۔ مینا ہر امتحان میں ٹاپ کرتے۔

دونوں نے اپنی جو ساکھ بنائی تھی اس کے پیچھے ایک ہی مقصد تھا۔ عاتق چاہتی تھی کہ کوئی دولت مند لڑکا اس سے متاثر ہو جائے اور ذہن اختر کسی امیر گھر کی لڑکی کی تلاش میں رہتا تھا مگر ہوا یہ کہ دونوں کی تقدیر ان دونوں ہی کو قریب سے آئی۔

میں کے حلقے کے دوست اور سیلیں اس نتیجے پر پہنچے کہ قدرت نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لئے بنایا ہے اور شاید تھا بھی ایسا ہی۔

ایک دن دین اختر کے ایک دوست نے کہا "دار ذہین تم بلاشبہ ہو تو تمہاری ملک بھی اس کالج میں موجود ہے۔"

"کس کی بات کر رہے ہو۔" دین اختر کے کان کھڑے ہوئے۔

"ارے! ایک ہی لڑکی ایسا ہے۔ عاقلہ۔"

"کون عاقلہ؟"

"اس کی چھاپاں بہت آسان ہے۔ وہ لڑکی سب سے حسین لڑکی ہے۔"

"حسین لڑکیاں تو یہاں کم نہیں۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"حسن اور دقا، کا امتحان اس سے سو سی کے پاس ہیں۔"

دین اختر کو عاقلہ کا جہانفہ سمجھنے میں کچھ دیر لگی اور جب اس کی سمجھ میں آ گیا کہ

عاقلہ کون ہے تو وہ کچھ دیر تصور میں اسے توٹا رہا۔ وہ بلاشبہ بہت حسین لڑکی تھی۔ یہ

محکم نہیں تھا کہ کوئی اسے ایک بار دیکھے اور پھر دیکھنے کی خواہش نہ کرے۔ خود دین اختر

بھی اس کے حسن سے متاثر تھا۔ اور اسے دیکھ چکا تھا بلکہ بنور دیکھا رہا تھا۔

"ہاں۔ صورت عقل کی تو اچھی ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"اچھا؟" حیل نے اس پر آنکھیں نکالیں "حسن کا ادق سب کا مختلف ہوتا ہے

لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ ہر ایک کو حسین لگے گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن میرے اس کے اسٹینس میں زمیں آسمان کا فرق ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"ہرے بھی سیدھی سی بات ہے، وہ بس میں سزا کرتی ہے۔"

"تو تم بھی سے دیکھتے رہے ہو۔" حیل نے شوخی سے کہا۔ پھر عجیبہ ہو گیا "اور

بس میں تو تم بھی سزا کرتے ہو۔"

"میری بات اور ہے۔" دین اختر نے مویانہ انداز میں کہا "میں تو خود کو جانتا ہوں

بلکہ پورے تم بھی جانتے ہو۔ میں کبھی صرف نسلی تعلیم کا قائل نہیں رہا۔ میں نے اسکول

کالج میں زندگی کی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ ڈیڈی مجھے گرامر اسکول میں داخل کرانا چاہتے

تھے لیکن میں نے گورنمنٹ اسکولوں میں پڑھا۔ عام بچوں کے ساتھ کھیلا کودا۔ عام بچوں

کی طرح رہا۔ پانچویں تک مجھے ماہانہ جیب خرچ ایک ہزار روپے ملتا رہا۔ اس کے بعد دو

ہزار ہو گیا۔ میزب کرتے کرتے میرا بینک سٹینس ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہو چکا تھا۔ میں گھر

سے دو روپے لے کر لگتا تھا۔ ہاف ٹائم میں بن کباب یا آلو چھوٹے کھاتا تھا۔ اب کالج

میں مجھے پانچ ہزار جیب خرچ ملتا ہے لیکن میں دس روپے لے کر کالج آتا ہوں۔ تم صبر

کے علاقے میں مجھے فٹ پاتھ پر بیٹھ کر اونچھری کھاتے دیکھو گے تو نہیں یقین نہیں آئے

گا۔ میں نے زندگی کو خوب پرانا ہے۔ اسے ہر واسطے سے ہر رنگ میں دیکھا ہے۔ میں

گریجویشن کروں گا تو میرے پاس اپنے کار لاکھ روپے ہوں گے۔ میں ڈیڈی کے کاروبار

میں نہیں گھسوں گا۔ اپنا کاروبار بھلوں گا اپنا تجربہ اپنا مشاہدہ اپنی صلاحیتیں ان پر ثابت

کروں گا۔ میں خود کچھ بے لاقائل ہوں۔ پھر م سلطان بود سے کام سیں چلاتا۔ باپ کی

دراخت پر تمکب نہیں کرتا۔" اس نے ایک گہری سانس لی "اور سچ کہوں مجھے اس عوی

ذہنی میں لطف آتا ہے۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ برابر کا جوڑ ملتا ہے۔" حیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے ذہین اختر کہ تم نے یہ سب کچھ خود قبول کیا۔ عاقلہ پر اس کے

والدین نے تربیت کے نام پر یہ سب کچھ قبول دیا۔ اسے زیادہ جیب خرچ نہیں دیا جاتا

کہ فضول خرچی کی عادت نہ پڑے۔ گھر میں تم کاریں کھڑی رہتی ہیں لیکن انیس سال

عمر ہوئے سے پہلے وہ ڈرائیو نہیں کر سکتی۔ اسے کالج چھوڑنے اور کالج سے لے جانے کے

لئے کار نہیں آتی۔ وہ عام لڑکیوں کی طرح رہتی ہے مگر وہ کروڑ پتی باپ کی اکلوتی بیٹی

ہے۔"

"ارے! اس کے والدین جتنی سمجھ دار ہیں۔" دین اختر نے دلچسپی سے کہا "لیکن

تھیں یہ سب کیسے مطمئن ہوا؟

"وہ میری دوست فرزانہ ہے تاہم عائدہ کی سہیلی ہے۔" جمیل نے کہا "عائدہ کی سہیلیاں اور تمہارے دوست سب اس پر متفق ہیں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہو۔"

"لگتا تو مجھے بھی یہی ہے لیکن 'یار' مجھے ابھی شادی نہیں کرنی آگے اللہ کی مرضی۔"

"مکمل تو اس سے۔"

"کیسے ملوں؟ یوں ملتا میرے دھار کے ملتی ہے۔"

"اس کا بندہ دست ہو جائے گا۔"

دوسری طرف عائدہ سے اس کی ایک سہیلی نے بھی کم و بیش اسی طرح کی گفتگو کی۔ عائدہ کا رد عمل بھی اچھا نہیں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس نے ذہین اختر کو بھی غور سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ غور سے حسن اور احساس امارت کے بارے میں سوچتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس بے نیازی کے نتیجے میں بھی گوہر مقصود خود اس کے رویہ آکر دست سوال دراز کرے گا۔ سہیلیوں کے کہنے پر اس نے ذہین اختر کو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ بے حد خوبصورت نہایت دلکش تھا۔ اس کے انداز میں وقار، تکلف اور خود اعتمادی تھی۔ اس میں ہر وہ خوبی تھی جو کسی مرد میں ہونی چاہئے پھر اتنا دولت مند اتنا سمجھدار اور اپنے اوپر انحصار کرنے والا لیکن ایک غلط رویہ رکھتا تھا۔ وہ اسے ستا رہی تھی۔ وہ بہت جانا بچانا لگ رہا تھا۔ لگتا تھا اسے کیسے دیکھا ہے۔ کہاں؟ یہ یاد آئے آتے مدد اچانک خالی ہو جاتا تھا۔

"بھئی میں ہوں کسی سے نہیں مل سکتی۔" اس نے اپنی سہیلی سے کہا "اور پھر کیوں ملوں۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"اس لئے کہ تمہیں لگتا ہے تم دونوں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہو۔"

"تمہیں لگتا ہو گا۔" عائدہ نے بے زاری سے کہا۔

"اس دن بعد عفت کی سالگرہ ہے۔" سہیلی بولی "ہم سب وہاں مدعو ہیں۔"

عفت ایک حتمی گھرانے کی لڑکی تھی لیکن عائدہ نے ایسا رنگ بنایا تھا کہ وہ اس سے محبوب رہتی تھی۔ ذہین اختر اسے پیشہ بہت اچھا لگا تھا مگر عفت نے اس کے بارے میں کسی دماغی انداز میں نہیں سوچا تھا۔ اس کے خیال میں اس پر صرف اور صرف عائدہ کا حق تھا۔

ذہین اختر کو بھی عفت کی سالگرہ میں مدعو کر دیا گیا تھا لیکن اس سے پہلے وہیں اختر ایک اور اہم کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ اس کام کو عفت کی سالگرہ سے پہلے نہایت چاہتا تھا۔ کام بہت اہم تھا مگر دشوار نہیں تھا۔ اسے عائدہ کو چپک کر بتا دیا۔ نہ جانے کیوں اسے دور دورہ احساس ہوتا تھا کہ وہ دھلی ہے۔ جو خود کو ظاہر کرتی ہے درحقیقت ہے نہیں۔ وہیں اختر عفت کی سالگرہ میں شرکت کے لئے یا تو اصل معلومات حاصل کر چکا تھا۔

وہ اس روز بہت اچھا لگ رہا تھا۔ لباس کے سلیسے میں اس نے خاص اہتمام کیا تھا۔ عفت ڈینٹس سوسائٹی کے ایک وسیع و عریض بنگلے میں رہتی تھی۔ سالگرہ کی تقریب بنگلے کے باغ میں ہو رہی تھی۔ کالج سے مخصوص ساتھیوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ دیگر مہمانوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ عفت کی اہم عمر لڑکیاں بھی خاصی تعداد میں تھیں۔ وہ رنگ و نور کی محفل تھی۔

وہیں اختر تقریب میں شرکت کے لئے پہنچا تو سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ عائدہ پہنچنے سے پہلے ہی آجکی تھی۔ عفت اسے دیکھ کر کہنے کے لئے لپکی "آپ کی آمد کا بہت بہت شکریہ ذہین۔" اس نے کہا۔

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ بہت کم ایسی تقریبات ہوں گی جن میں میں تھی روشنی سے شریک ہوا ہوں۔" ذہین اختر کے لہجے میں نکات تھی "نہ جانے کیا بات ہے" عفت کی آنکھوں میں خواب آئے گئے۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہیں اختر کا یہ لہجہ اس کے لئے ہے "آپ مجھے بتا رہے ہیں اس کا بھی شکریہ۔"

"اور یہ لیجئے آپ کا تحفہ۔ دن دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ۔ خدا آپ کو ایسے بے شمار جنم دیں عطا فرمائے۔"

"بے حد شکریہ۔" حضرت نے پکٹ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ شکریے کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی فضول خرچ نہیں واقع ہوئی ہیں۔" وہیں اختر نے شرفی سے کہا "اور شکریے کا بکثرت استعمال اپنا نیت کے منافی ہے جس کا میں خواہاں ہوں۔"

حضرت شرمائی "کی کوئی بات نہیں۔"

"میں ہر حال کی تعلق کا قائل ہوں۔ اس لئے آپ سے ایک استدعا کر رہا ہوں جو آپ کو غیر معمولی لگے گی۔"

"جی فرمائیے۔" حضرت نے بے حد اشتیاق سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ کو تمام ممالک کو انٹر نیشنل کرنا ہے پھر بھی آپ مجھے کہنی دیتی رہنے گا۔"

حضرت کا چہرہ تھما تھا "کام مشکل ہے لیکن پھر بھی میں حاضر ہوں۔ ویسے آپ کے دو تین دوست بھی یہاں موجود ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ مجھے کہی نہ ویسے کا فیصلہ کر کے یہاں آئے ہیں۔" وہیں اختر نے مسکاتی خیر لہجے میں کہا۔

"تو آئیے میں آپ کو اپنی ایک بہت پیاری کلاس فیلو سے ملوادوں۔ شاید آپ دونوں پہلے بھی۔"

"میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔ میں صرف آپ کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

حضرت کا دس مہووم تھا۔ اسے گا کہ کچھ دیر پہلے "گھوڑوں میں اترنے والے خواہوں کو تعبیر بھی مل گئی ہے۔ اسی وقت اس کی اسی نے اسے آوار دے لی "ایک ٹیکووری" اس نے وہیں سے کہا "میں کو شش کروں گی آپ کو کہنی دینے کی۔ لیکن مجھے آنے میں دیر ہو جائے تو ہائٹ۔ کیجئے گا۔ اچھے ممالک کے درمیان موقع مشکل ہی سے ملتا ہے۔"

"میں کہتا ہوں آپ جائیں۔"

دور کمزری عاقلہ نے یہ سب کچھ کہیں انھیوں سے دیکھا تھا۔ وہ بھی ایسی تھی اس کی دو سیپیل بھی اس قریب میں مدعو تھیں لیکن وہ دین اختر کے دوستوں کو کہنی دے رہی تھیں۔ عاقلہ اس سیٹ اپ کو کچھ رہی تھی۔ اس کی سیپیلوں نے اسے اور وہیں اختر کے دوستوں نے اسے تھما پھوڑ دیا تھا۔ تاکہ وہ ایک دوسرے سے ملنے پر مجبور ہو جائیں۔ عاقلہ نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ پل نہیں کرے گی۔ وہیں اختر خود اس کے پاس آئے تو آئے لیکن اب جو اس نے حضرت اور وہیں اختر کو ہاتھیں کرتے دیکھا تو اپنے فیصلے پر نظر چلی کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اس دونوں کے انداز اور چہرے کے تاثرات کچھ اور ہی کہانی بنا رہے تھے۔ جو کھیل وہیں کھیل رہا تھا وہ اس کے اصولوں بلکہ بے اصولوں سے خوب واقف تھی۔ اس کھیل میں مداخلت کی ضرورت اس لئے تھی کہ وہیں اختر اپنی تمام تر غامضیوں اور برائیوں سمیت اس کے دس میں اتر گیا تھا۔ وہ اس کی کمزوریوں سے واقف تھی اسے اچھے سے نکتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ بہت آسکی سے سچ سچ اس کی طرف بڑھتے گئے "یہ وہیں اختر۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

وہیں اختر نے پلٹ کر اسے دیکھا "ہیلو عاقلہ۔"

"کس کی دیکھ دیکھ رہے ہو؟"

"کسی کی بھی نہیں۔ پر ہو رہا ہوں۔ اکیلا ہوں کی وجہ سے۔" وہیں اختر نے جواب دیا۔

"جلد تک ہر نہیں ہونا چاہئے۔" عاقلہ کے بچے میں معنویت تھی "تمہیں یہاں جس کے لئے مدعو کیا گیا ہے اس کے پاس ہونا چاہئے تھا۔"

"اور وہ کون ہے؟"

"تم جانتے ہو کہ وہ میں ہوں۔" عاقلہ نے بڑے دھمکے سے کہا۔

"مدعو کرنے والے غلطی کریں تو اس کا دسے دار میں نہیں ہوں۔" وہیں اختر نے

مرد لہجے میں کہا۔

"وہ سب سمجھتے ہیں کہ تم اور میں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہیں۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

"لیکن میں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے۔"

"تو یہ تمہارا درد مر ہے۔"

"تم پہ موجودہ رول میں صفت کی طرف بڑھو گے۔ کسی اور لڑکی کی طرف۔"

"میں یہ برداشت نہیں کروں گی۔"

"تو مت کہہ۔" ذہین اختر نے بے پردہ لہجے سے کہا۔

"مجھ میں کمی کیا ہے؟" عاقلہ کے لہجے میں شوخی تھی۔

"کمی نہیں، زیادتی ہے جس قدر نظام تند۔" ذہین اختر نے کات دار لہجے میں کہا

"تم فرما ہو۔"

"تو یہ ہو۔" عاقلہ مسکراتی تھی، مسکراتی رہی۔ اس کے چہرے کا آئینہ درا انہیں

بدلا تھا "تمہاری دولت میرا پردہ رکھ لے گی۔"

"یہ ہو سکتا تھا۔" ذہین اختر نے بے حد وقار سے کہا "مسئلہ یہ ہے کہ مجھے فراڈ

صفت ٹاپند ہے۔"

عاقلہ بدستور مسکراتی رہی "تب تو مجبوری ہے مسئلہ دہرہ دھونی۔"

ذہین اختر کا چہرہ حق ہو گیا جیسے جسم سے کسی نے تمام خون نچوڑ لیا ہو۔ اس نے

چہروں کی طرح اوپر اوپر دیکھا لیکن قریب میں بولی موجود نہیں تھی۔

"مسئلہ یہ ہے کہ مجھے فراڈ ہوگ بہت غصے آتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ میں خود

فراڈ ہوں۔" عاقلہ نے کہا "میں واقعی یہ سمجھتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے بنائے

گئے ہیں۔"

ذہین اختر خاموش رہا۔ وہ کچھ بول ہی نہیں سکتا تھا۔

"تم جیتنا چاہیں آئی ہو لیکن حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی دہشت کو کھا جاتی

ہے۔" عاقلہ نے کہا "تم میرا پیچہ کرتے ہوئے جبکہ لائن میرے گھر تک آئے۔ تمہیں

یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ تم بھی دیہی رہتے ہو تو میں نے بھی تمہیں کبھی نہ کبھی دیکھا

ہوگا۔"

"تم نے مجھے دیکھا تھا؟"

"ہاں ہاں۔ دھوپ کی گھاٹ سے گزرتے ہوئے میں تمہیں دیکھتی تھی اور سوچتی تھی کہ

تم کوئی روسن شہزادے ہو جو کھلائی سازشوں سے گھبرا کر یہاں بھاگ آیا ہے اور بنیاں اور

لنگی میں چھپا کپڑے دھو رہا ہے۔ تاکہ سازشی ادیر کے سپاہی اسے دیکھیں بھی تو پہچان نہ

سکیں۔ کٹنگ میں میں نے تمہیں کبھی توجہ سے نہیں دیکھا۔ جب دکھایا گیا تو تم مجھے جانے

پہچانے لگے مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ تمہیں کمال دیکھا ہے۔ کئی دن دہن پر زور دینی

دی۔ یہ دھوپ کی گھاٹ کے کپڑے دھوئے بیٹے اللہ دہ اور کالج کے خوش لباس ذہین اختر

میں فرق ہی اتنا زیادہ تھا کہ جس دن تم میرا پیچہ کرتے میرے گھر تک آئے اسی دن میں

میری کچھ میں آگیا کہ تم مجھے جانے پہچانے سے کیوں گتے ہو۔ تصدیق کے لئے اس شام

میں دھوپ کی گھاٹ کی طرف نکل گئی۔ اس روز میں نے تمہیں غور سے دیکھا۔ دیر تک

دیکھا اور میری کچھ میں سب کچھ آگیا۔"

ذہین اختر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت خود کو گدھا محسوس کر رہا تھا۔ دھوپ

کا گدھا تھا، دھوپ کا گدھا۔ اسی وقت صفت ان دونوں کی طرف ہلی آئی "ذہین صاحب!

کینی کی ضرورت تو نہیں ہے آپ کو؟" اس نے جیب سے لہجے میں پوچھا۔

"شکریہ۔ میں ابھی وقت گزار رہا ہوں۔" ذہین اختر نے جواب دیا۔ صفت واپس

ہلی گئی۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی تھکی۔

"ختم نے نام کب تبدیل کیا تھا؟" عاقلہ نے پوچھا۔

"ساتویں جماعت میں۔"

"میں نے بھی ساتویں جماعت میں ہی نام تبدیل کیا تھا۔" عاقلہ نے خوش ہو کر کہا

"لیکن سوچو تو یہ کتنا برا کرنے میں مجھے تمہارے مقابلے میں بہت زیادہ مشکل پیش

آئی۔ خوش رہی تھارے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ تھارے پاس تو رہا ہی رہا تھا۔ مجھے اس سلسلے میں بڑے جتن کئے جاتے تھے۔

”تمہیں آسان لگتا ہے۔ ملائکہ میری پول ہی خوش رہا ہی کی وجہ سے کھلی۔“
ذہین اختر نے ہنسا کر کہا۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ عاقلہ نے اثبات میں سر ہلایا ”خیر یہ طے ہو گیا کہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔“

”تمہارے جیسے کے آخری حصے پر مجھے اعتراض ہے۔“ ذہین اختر نے کہا ”یہ سب کچھ میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ مجھے برادری میں کسی دھوئی زادے یا ستہ بچی سے شادی نہ کرنی پڑے۔ ایسا ہوا تو میرے بچہ کو بھی وہی جدوجہد کرنی پڑے گی جو میں کر رہا ہوں۔“

”اس معاملے میں بھی ہم ایک جیسے ہیں۔“ عاقلہ نے جتنے ہوئے کہا ”میں بھی کسی بچہ سے نہ دھوئی زادے سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب معاملہ مختلف ہے۔“

”کیا مطلب؟“ ذہین اختر بری طرح دیکھ کر۔

”تم مجھے اچھے لگے ہو۔ میں تم سے شادی ضرور کروں گی لیکن اس وقت جب ہم دونوں ہا کوئی ایلٹس ہو گا۔ پہلی شادی نہ کسی دوسری تم سے ضرور کروں گی میں۔“

”اب تم خود مد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی حماقت۔“
”سو ذہین اختر تم مجھ سے حماقت حاصل نہیں کر سکو گے۔ یاد رکھنا میں جو کتنی ہوں گم کے دکھاتی ہوں۔“

ذہین اختر دل کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ترپ کے تمام بچے عاقلہ کے ہاتھ میں ہیں لیکن یوں تو یہاں ناز میں ہمارا مقصد ہی موت ہو جائے گا۔ اس نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔

”میں دیکھ چکی ہوں کلغ میں ہمارا مقصد پورا بھی نہیں ہو گا اور یقین کرو میری دوستی سے تمہیں فائدہ بھی بہت پہنچے گا۔“

اور مستقبل میں عاقلہ کی یہ بات درست ہی ثابت ہوئی۔ ذہین اختر کو پہلی ملازمت عاقلہ ہی کی وجہ سے ملی تھی۔

وہ بی اے فائل کا امتحان دے چکے تھے ’نیچے کا انتظار تھا۔ ایک دن عاقلہ دھوئی کھانے کے سامنے سے گزری۔ وہ پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے ذہین اختر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ذہین اختر اس کے پیچھے چل دیا۔ اپنے علاقے سے نکلے تک وہ ج کی الگ الگ چلتے رہے پھر ذہین اختر نے قدم تیز کئے اور اس کے برابر پہنچ گیا ”کیا بات ہے؟ حیرت تو ہے؟“ اس نے عاقلہ سے پوچھا ”توئی گھبراہٹ ہوئی کیوں ہو؟“

”بت ہی ایسی ہے۔ ابا نے میری شادی طے کر دی ہے۔“ عاقلہ نے کہا۔ اب وہ دونوں قدم ملا کر چل رہے تھے۔

”پھر شکر ہے دھوئی زادے سے تو فیگ گئیں تم۔“ ذہین اختر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ذائق کی بات سمجھیں۔“ عاقلہ نے ترشی سے کہا ”اب مجھے اپنی گھر چھوڑنا پڑے گا۔“

”اس کی کیا ضرورت ہے۔ تم اس رشتے سے انکار کر دو۔ چڑھی لکھی لڑکی ہو۔“
”تم جانتے ہو ہمارے ہاں دھوئیں لڑکی کے منہ سے انکار نہیں بنتے۔“ عاقلہ نے کہا ”ویسے بھی گھر تو مجھے چھوڑنا ہی تھا۔ یہاں رہ کر تو مجھے کچھ بننے سے رہا۔“

”تو پھر کیا کر گی؟ جاؤ کی کہل؟“ ذہین اختر عجیبہ ہو گیا۔

”ابھی وقت ہے میرے پاس۔ سب سے پہلے تو ملازمت کی کوشش کروں گی۔“
”ملازمت؟“ ذہین اختر نے سر جھٹکا ”میں اب تک سینا لیس در خواہتیں پوسٹ کر چکا ہوں“ اعتراف کل ایک بھی نہیں آئی۔“

”مجھے ملازمت مل جائے گی۔ میں نے تو اب تک کوشش ہی نہیں کی تھی۔“
رہنما کا انتظار کر رہی تھی۔ ”عاقلہ نے بے حد یقین سے کہا ”مگر اب یہ ضروری ہو گیا

ہو رہی ہے تم سے کہنا تھا کہ تمہیں مجھ سے فائدہ پہنچے گا۔ اب وہ وقت بھی آ گیا ہے۔“

میں تمہیں بھی ملازمت دلاؤں گی۔"

"مگر کیا ہو گا؟" ذہین اختر کے لمبے میں الجھن تھی۔

"اخبار تو تم روز خریدتے ہو؟" عاتقہ نے پوچھا۔ ذہین نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بولی "ہم ہر صبح دس بیچے صدر میں کیپے جہاں میں نہیں گے۔ تم اخبار لایا کرتے۔ درخواستیں لکھیں گے اور بھیجیں گے۔ چائے میرے ذمے ہوگی اس کی فکر نہ کرنا۔"

اس پر دمگرم پر عمل ہوا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلا۔ انھوں دن پہلی انٹرویو کا آگئی۔ دونوں کی نہیں صرف عاتقہ کی۔ ذہین اختر کا منہ ٹک گیا "یہ منہ کیوں نکلیا تم نے۔" عاتقہ نے جیتے ہوئے کہا "اب تم دیکھنا کہ میں کیا ساتھ بھاتی ہوں۔ ملازمت پر ہم دونوں ساتھ ہی جائیں گے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"انٹرویو والے دن تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔" عاتقہ نے کہا اور اسے چوری بات سمجھادی "برا۔ ماننا۔ اپنا کام نکالنے کے لئے دنیا میں بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

ذہین اختر یہ بات پسے ہی سے جانتا تھا۔ برائے نام کا کوئی سہیل ہی نہیں تھا۔ انٹرویو والے دن دونوں ساتھ گئے۔ ذہین اختر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انٹرویو کے لئے صرف لڑکیاں ہی آئی تھیں۔ وہ واحد مرد تھا اور یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ انٹرویو میٹر کے بغیر آیا ہے۔ عاتقہ کی ہاری آئی اور وہ اندر چلی گئی۔ انٹرویو کی تفصیل ذہین اختر کو بعد میں عاتقہ سے معلوم ہوئی۔

کبھی کے مالک کی عمر پچاس سے اوپر تھی لیکن دیکھنے میں وہ 35 سے زیادہ کا ہرگز نہیں لگتا تھا۔ عاتقہ کو چند لمحوں میں اندازہ ہو گیا کہ مالک کو وہ اچھی لگی ہے۔

"آپ جب کیوں کرنا چاہتی ہیں؟" عاتقہ سے پوچھا گیا۔

"جب میری ضرورت سمجھ لیکن مجھے شوق ہے جب کرنے کا۔" عاتقہ نے جواب دیا "اپنی تعلیم سے استفادہ بھی کرنا چاہئے۔"

"تب شاید آپ کو مایوسی ہوگی۔ ہم تنخواہ زیادہ نہیں دے سکیں گے۔"

"کوئی بات نہیں! میں نے کئی جگہ درخواست دے رکھی ہے۔"

"آپ نے پوچھا نہیں کہ ہم کتنی تنخواہ دیں گے۔"

"جو تنخواہ خود آپ کو کم لگ رہی ہے وہ مجھے تو بہت ہی کم لگے گی۔" عاتقہ نے بے یارمی سے کہا "جب تو میں اپنی ہی شرائط پر کہوں گی۔"

کبھی کا مالک مسکرایا "بہت خوب مجھے تو لگ رہا ہے کہ انٹرویو میرا ہو رہا ہے۔ ویسے ہائی دی وے آپ کی شرائط کیا ہیں؟"

"تنخواہ ستن سو۔۔۔ ماہوں اچھا ہو۔۔۔ جہاں عورت کی عزت کی جاتی ہو اور سب سے بڑی بات یہ کہ میری خوب صورتی کو۔۔۔ میاں کی قابلیت تصور کیا جائے نہ اصلی قابلیت۔"

"بہت خوب آپ کی بے نیازی میرے لئے نئی چیز ہے۔"

"آدمی ضرورت مند نہ ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" عاتقہ مسکرائی۔

"اصولاً مجھے یہ جانب کسی ضرورت مند کو دینی چاہئے لیکن میں یہ تجربہ بھی کرنا چاہتا ہوں اس لئے یہ جانب تو آپ کو نہیں دیتا لیکن اپنی سیکرٹری کی جانب کی آفر کرتا ہوں۔"

"مگر وہ کیا ہوگی؟" عاتقہ نے پوچھا۔

"وہ ہزار روپے۔"

"سوری سر! یہ کم ہے۔" عاتقہ اٹھنے لگی۔

"بٹھیں تو۔" مالک نے کہا "آپ کتنی تنخواہ چاہتی ہیں؟"

"تین ہزار۔"

"دیکھئے مس عاتقہ! میں بس ڈھائی ہزار دے سکتا ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔ لیکن سر! ایک بات اور ہے۔"

"وہ بھی فرمائیے۔"

"میرے بھائی نے بھی میرے ساتھ ہی درخواست بھجوائی تھی۔ انہیں انٹرویو میٹر نہیں ملا۔"

"کسی وجہ سے مردوں کی اسامیاں ہم نے ڈراپ کر دیں۔"

"سر! انہیں صاب لے گی تو میں بھی جلب کر سکوں گی۔ ورنہ والد صاحب مجھے اجازت نہیں دیں گے۔"

"اوہ۔ لیکن سردست مارے ہوں تو جگہ نہیں ہے۔" مالک کچھ سوچتے لگا "خیر آپ انہیں لے آنا کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔"

"میں کسی کے ساتھ آئی ہوں سر۔ وہ باہر بیٹھے ہیں۔" عاقلہ نے کہا۔

مالک کو اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ غصوں کرنے لگا کہ پھنس گیا ہے "کیا نام ہے ان کا؟"

عاقلہ نے ذہین کا نام بتلایا۔ مالک نے چہرہ اسی سے کہا کہ ذہین اختر کو کرے میں بھیج دے۔ ذہین اختر آیا۔ مالک نے بڑی عزت سے اسے بیٹھنے کو کہا۔ اس کے کواٹھ پر مجھے مردوں کی درخواستیں شاید تلف کر دی تھی۔

ذہین اختر نے دیکھ لیا کہ مالک عاقلہ کو نگاہت بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ "مارست تو تمہیں آج ہی مل جائے گی مسز اختر۔" مالک نے کہا "لیکن زیادہ تنخواہ کی امید نہ رکھنا۔"

"مجھے صرف نوکری چاہیے سر۔" ذہین اختر نے کہا۔

مالک نے ایک نیلی فون بھر لایا اور کسی سے بات کرنے لگا۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ذہین اختر کی مارست کے لئے بات کر رہا ہے۔ ویسے وہ رکھنے کے بعد اس نے دروازہ کھول کر ایک کارڈ نکالا اور ذہین اختر کی طرف بڑھایا "تم اس پتے پر جا کر رہیں صاحب سے ملو۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔" وہ عاقلہ کی طرف مڑا "اور مس عاقلہ آپ کل سے جوائن کریں۔ صبح سو بجے سے چھ بجے تک ڈیوٹی ہوگی۔ ایک بجے سے دو بجے تک لچ کا وقفہ۔" "شکریہ سر۔"

وہ دونوں باہر نکل آئے "یہ شخص تمہیں بھوکے نظروں سے دیکھ رہا تھا۔" ذہین اختر نے دکھایا۔

"کسی رات میں ہر شخص مجھے ایسی ہی نظروں سے دیکھے گا۔" عاقلہ نے بے

پردہائی سے کہا "لیکن میں خود کو چھٹا جانتی ہوں اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں کس منزل کی تلاش میں نکل ہوں۔ یہ بات تمہیں بھی یاد رکھنی چاہئے۔ اب تم اس پتے پر جاؤ اور کوئی ایسی خبر لے کر آؤ۔ میں بھی ایک کام نسا کر کینے جہاں پہنچی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ڈیئر۔" ذہین اختر نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

ذہین اختر کو بھی اس دور مارست مل گئی۔ وہ کینے جہاں پہنچا تو عاقلہ پیسے ہی سے وہاں موجود تھی "کو کیا خبر لائے ہو؟"

"مارست مل گئی۔ تنخواہ نو سو روپے ماہوار۔" ذہین اختر نے عقارت سے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ میری تنخواہ زیادہ ہے۔ پانچ سو روپے تمہیں میں دے دیا کروں گی۔"

"مہر رہا نسل کا کیا کر دی؟"

"عارضی بندوبست تو کر لیا ہے۔ والی ذیلی سی اے میں۔" عاقلہ نے بتایا "تھوڑے ہی دن میں کوئی اپنا لکنا بھی ہو جائے گا۔ تمہارا کوئی مسئلہ نہیں۔ تم تو ابھی اپنے گھر میں بھی رہ سکتے ہو۔ حالات بہتر ہو جائیں تو کچھ دور سوچنا۔"

"جی ہاں تو میں اب ایک منٹ بھی اپنے گھر میں نہیں رہنا چاہتا۔"

"لیکن فی الوقت یہ ضروری ہے۔ ہم دونوں کو ایک ساتھ گھر نہیں چھوڑنا ہے۔" یوں زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ وہ دونوں ہی اسم ہاسکی ثابت ہوئے۔ عاقلہ گھر و پیش کے بھینسا نما انسانوں سے خود کو بچا کر اپنی عقل مندی کا ثبوت دیتی رہی اور ذہین اختر کی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی کام سے انکار نہیں کرتا تھا۔ یہ بات نہیں کہ وہ بھتی تھا کہ ہر کام سیکھ بیٹھا چاہتا تھا۔ وہ جہاں کام کرتا تھا دفتر کے ہر کام پر دسترس حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ یوں وہ ہر فن سولہا بن گیا لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ اپنی دہانت اور تیزی و طراری کو چھپ کر رکھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا بھرپور اظہار کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی دفتر میں زیادہ دیر نہیں ٹک پاتا تھا پھر بھی اسے یقین تھا کہ جلد ہی اسے کوئی مسابقت مارنے کا موقع ملے گا۔

دستک برابر واسے دردارے پر ہو رہی ہے۔ کچھ بھی ہو اسے اس دستک سے بہت بڑا نقصان پہنچا گیا بلاؤں کا صندوق کھل گیا۔ اس کے ذہن پر احساس و ہوراک کے دروازے کھل گئے۔ یادوں کا تسلسل ٹوٹا غصہ ہو گیا تھا۔

پسند حساس تو بھوک کا ہوا۔ وہ کوئی بلا تھی جو اپنے نیکیے بچوں سے اس کا کلیجہ کھرچ رہی تھی پھر اسے گرمی کا احساس ہوا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ وہیں آنے کے بعد اس نے کھڑکیوں میں کھولی تھیں۔ وہ کھڑکی کھولنے کے لئے اٹھا تو چکر آ گئے۔ بہت شدید غصہ تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے کھڑکی کی طرف بڑھا اور کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی کھولنے ہی تازہ ہوا کے جھوٹے آئے اور چکروں کا احساس اور بڑھ گیا پھر اسے احساس ہوا کہ شام ہو گئی ہے وقت گزرنے کا پانی نہیں چھا تھا۔

وہ پھر پٹنگ پر آ بیٹھا۔ اس نے یادوں کا سلسلہ جوڑنے کی کوشش کی لیکن بھوک ایسے کہاں پہنچتی ہے پھر بھوک بھی ایسی شدید کہ پیٹ میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ ایسے میں آدمی کھانے کے سوا کچھ نہیں سوچتا۔ کھانے کے بارے میں اس نے سوچنا شروع کیا تو مایوسی نے داغ شل کر دیا۔ کھانا ملنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ تو کیا وہ بھوک سے مر جائے گا؟ یہ سوال ہے حد خوف ناک تھا۔ وہ شل داغ لئے بیٹھا سوچتا رہا۔

کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔ اس سے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ باہر ہتی روشنی کی جھلکاوت تھی۔ اس کے پیٹ کی اینٹھن اب ادھت ناک ہو گئی تھی۔ اس نے کھڑکی میں وقت دیکھا۔ سات بجتے واسے تھے۔ گویا اسے کھانا کھائے نہیں گھٹنے ہو چکے تھے۔ بلکہ ان تین گھنٹوں میں اسے چائے کی ایک پالی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔

بھوک۔۔۔ ایسی بھوک۔۔۔ اور پھر اندھیرا۔ اس کا دل گھبراتے لگا۔ وہ اندھ کر کمرے میں روشنی کر سکتا تھا لیکن یک تو عہدیت ایسی تھی کہ اس میں اٹھنے کی بہت سی نہیں تھی دوسرے روشنی کی تھی اہمیت بھی نہیں تھی۔ روشنی سے آدمی کا پیٹ تو نہیں بھر سکتا۔

وہ اندھیرے میں بیٹھا پیٹ کی بڑھتی ہوئی اینٹھن کو محسوس کرتا رہا۔ ہر لمحے اسے

محسوس ہو رہا تھا کہ اب کچھ کھانے کو نہیں ملا تو اس کا دم نکل جائے گا۔ اب تو اس کا پی ہمارا تھا کہ نیچے جا کر کسی کو گھڑی بیچ دے۔ بھوک نے اسے قطع نقصان کے احساس سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔ گھڑی کے بدلے پیٹ بھر کر کھانا بھی مل جائے تو سوچا برا نہیں۔ مشکل یہ تھی کہ ایک ۳ چار بیڑھیاں اتر کر ہونٹ تک جانے کی اس میں طاقت نہیں تھی۔ اس کے لئے تو پٹنگ سے اٹھنا بھی آسان نہیں تھا۔

تو اب ہو گا کیا؟ میں بڑھی مر جاؤں گا؟ اس نے مایوسی سے سوچا۔ کاش کوئی اب جلا ہو تاکہ اسے پیٹ پیٹھے پیٹھے کھانا مل جائے۔

لفظ جلا پر اسے کچھ یاد آیا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ گزشتہ روز تقریباً ہی وقت تھا اور رات مل گئی تھی۔ وہ اندھیرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ایک دیوی نے اسے پکارا تھا۔ دیوی۔۔۔ دیوی ادویہاں تو صرف کھالی میں ہوتی ہیں لیکن اس نے دیوی کے ہاؤ میں چل ن تھی۔ وہ خواب نہیں تھا۔ پھر اس نے دیوی کے ہال کھینچ کر دیکھے تھے۔ وہ وہم میں تھا اور دیوی نے اسے سالگرہ کی مبارکباد اور تحفہ دیا تھا۔ تحفہ۔۔۔ تین خواہشوں کا تحفہ! اس نے ایک خواہش کی تھی جو پوری ہو گئی تھی یعنی دیوی دفع ہو گئی تھی لیکن مع ہونے سے پہلے اس نے کچھ کہا تھا جو کما تھا وہ اسے اب بھی یاد تھا۔

وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ وہ کیا تھا۔ خواب؟ وہم؟ فریڈ؟ اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایسے حالات میں کوئی دیویوں کے بارے میں سوچ سکتا ہے بھلا۔ اب اسے وہ دہر لگ رہا تھا۔ خرافات! لیکن صورت حال ایسی تھی کہ کوئی جادو ہی اسے بچ سکتا تھا۔ ورنہ وہ سب بار دہر لگا اس کمرے میں بھوک سے مر جاتا۔ اس کے پاس کوئی چارو نہیں تھا کہ کوئی راستہ نہیں تھا! پچت کی کوئی صورت نہیں تھی جب حقائق ایسے مایوس کن ہوں تو آدمی خرافات ہی کا سارا لیتا ہے۔۔۔ جادو!

اسے محسوس ہوا کہ اگر اس نے مزید کچھ وقت صاب کر دیا تو اس میں تکی بھانے کی طاقت بھی نہیں رہے گی۔ وہ اپنے مزاج! اپنے یقین کے خلاف کام کر رہا تھا۔ اس نے تکی یاد تو دور سے تکیاں بچائیں اور پھر اوپر دیکھا۔

مجھ بھی سیں سو۔ وہم تو وہم ہی ہوتا ہے۔ اس نے کجی سے سوچا اور مایہ
"دی کو کتہہ بیل کراتی ہے۔ تالیاں بھائے بھٹک تین سینکد ہوئے ہوں گے اور اس کی
مایہ اور گری ہو گئی تھی گو یا اسے یقین تھا کہ تالیاں بجاتے ہی دیوی آجائے گی اور ا
سے اس کی دو خواہشیں پوچھے گی۔ یہ کہاں پہنچا دیا مجھے میری مایہ ہی نے۔

اور اسے پر ہوئے دان دستک نے سے چوٹکا دیا۔ یہ کیا۔ اس نے سوچا۔ کیا آج
دیوی دروازے کے راستے آئے گی؟ کل تو یہی خودوار ہو گئی تھی۔

وہ خدا اور لڑکھائے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔ ایک قدم اٹھا بھی دو
بھر ہو رہا تھا۔ جیسے جیسے اس نے دروازہ کھول دیا۔

رو رو کھتے ہی اسے سے چہرے کی صورت نظر آئی اور اس کے دل تاج کج کر گئے
"یہ کیا؟ آج مرنا نہیں میں آئی ہو۔" وہ بڑبڑایا "میری حواش پوری کر دی گی؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو استاد؟ کیا تک میں ہو؟ یہ میں ہوں مہا چڑیا۔ ... مہا
چڑیا۔" سے چہرے نے بن مانس کی طرح اپنا سینا کھولے ہوئے کہا "میں عورت تو نہیں
ہوں بلکہ تمہارے دو ہشت پوری کر سکتی ہوں۔" استاد کہہ دیکھو۔

دوہیں اختر اور چہرے آ رہے تھے۔ وہیں اس کا ساتھ ہوا زربا تھا۔ تم مجھے دھوکا سیں
دے سکتیں۔ "اس نے اس اور اس کے ساتھ ہی اس کی حالت جواب دے گئی۔ وہ کرے
لگا۔ اسے احساس ہوا کہ سے چہرے نے اسے منبھل یا ہے پھر سے چہرے نے کسی
کھولنے کی طرح سے گوا میں اٹھایا اور پلنگ کی طرف لے آیا۔ اسے پلنگ پر لٹانے کے
بعد مہا چڑیا اس پر تنہا گیا۔ اس کا چہرہ اتنا قریب آیا کہ اس کی گرم سانسیں اس کے چہری
کو چھوئے لگیں۔ چانک اس کی ناک میں سرسراہٹ سی ہوئی اور پھر چھینک اٹھی۔

اس پھینک نے میں اختر کے جوہر وہ کر رکھ یا۔ اسے اندازہ ہوا کہ کزوردی
میں پھینک تھی مہوش ہوتی ہے۔ اس کی "کھیں کھل گئیں۔ مہا چڑیا بدستور اس پر بھٹا
ہوا تھا۔

"اسے ... یہ کیا کر رہے ہو میرے ساتھ۔" اس نے کزور آوار میں کہا۔

"اپنی مونچھ کابل تمہاری ناک میں ڈال کر بلاتا ہے۔" مہا چڑیا بولا۔

"لیکن کیوں؟ یہ کیا بد چیز ہے؟"

"یہ ضروری ہے استاد ایسا ہو گا تو تمہیں ہوش بھی آئے گا اور میری مونچھوں پر
یقین بھی۔"

"میں ہوش میں بھی ہوں اور مجھے تمہاری مونچھوں پر یقین بھی ہے۔" وہیں اختر
نے کراہے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم مجھے عورت کی طرح کیوں مخاطب کر رہے تھے۔"

"میں تمہیں دیوی سمجھا تھا۔"

"دیوی۔ اور مجھے؟" نے چہرے کو؟ "واہ استاد۔" مہا چڑیا پھر سینہ کوٹ کر ہنسنے
لگا۔

"ہم ڈو ان جڑوں کہ۔ یہ ہاں تم آئے کیسے؟"

"سیڑھیوں جڑ کر استاد۔" نے چہرے نے سلوکی سے کہا۔

وہیں اختر بھٹکا گیا "میرا مطلب ہے کس لئے آئے ہو؟"

"اپنی تو وہی ایک بات ہے استاد۔ تمہیں استاد معظم بلانا چاہتا ہوں بس مجھے
انگریزی پڑھا دو۔ یہی ایک کی ہے میرے اندر۔ ہاں قسم 'انگریزی آجائے تو یہ پوری دنیا
خاک کر لے گا مہا چڑیا۔" وہ پھر سینہ کھولنے کا "ہاں تم ایک بار مجھے اپنی شکر دی میں قبول
کر لو۔"

وہیں اختر ہر قسمی جاری ہونے لگی۔ مہا چڑیا وہاں کار بہ دست کیریکٹر تھا۔ کئی سال
سعودی عرب میں گزار کر آیا تھا۔ وہاں سے پاکستان واپس بھیجا جانے لگا تو سعودیوں کے
گلے پڑ گیا۔ جج کا چہرہ جو فخر۔ ال لوگوں نے جواز پیش کیا کہ انگلش۔ آنے کی وجہ سے
پاکستان بھیجا جا رہا ہے۔ انگلش سیکھ سے گا تو پھر سعودی عرب میں موقع دیا جائے گا۔ یوں
مہا چڑیا پاکستان آیا۔ طاقت ور آدمی تھی۔ سب آکر بد معاشی شروع کر دی۔ چڑیا وہ پہلے
ی سے تھا۔ چڑیوں کی بد معاشی کی دکان خوب چمکتی ہے۔ انگریزی سیکھنے کا خیال اس کے

مشکل مسئلے کا وہ آسان حل۔ وہ اس کی جڑ نیت پر سوچنے لگا پھر اسے خیال آیا کہ اس پر وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے پسے اصل کام کر لیا جائے پھر فرصت سے سوچیں گے اور تنبیہات ملے کریں گے۔

اس نے تین ہفتے کی بھاری۔



دیوی وہیں موجود تھی!

وہ گزشتہ رات اس کمرے سے گلی ہی نہیں تھی۔ اسے یہ محض ذہین اختر ہے کہ خطرناک لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس طرح کل کر لکڑی کا انحصار نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ منہ سے نکلے ہوئے پرانے لفظ۔

رات کو تو ذہین اختر بے سوج ہو کر سو گیا تھا۔ صبح وہ خاصی دیر سے جاگتا تھا۔ روم سے آنے کے بعد سے وہ بیٹھ سوچے جا رہا تھا۔ دیوی ٹنگل ہانڈھے اسے دیکھ رہی تھی۔ ذہین اختر اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دیوی کے سر پر جو اسکارف بندھا تھا وہ اسے کھول دیتی تو ذہین اختر کے سامنے نمودار ہو جاتی۔

ذہین اختر سوچنا رہا اور دیوی اسے دیکھتی رہی۔ اس وقت ذہین اختر دیوی کی آنکھوں میں جھانک سکتا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ دیوی اس سے کس قدر خوف زدہ ہے۔ وہ بے حد سداہ تھی۔ دیوی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

دیوی کو ذہین اختر کی ہل ہل رنگ بدلتی آنکھیں بے حد خوف ناک لگیں۔ آنکھیں آرمی کے باطن کی اس کی سوجس کی غمازی کرتی ہیں۔ دیوی اس کی سوجس کو پڑھنے کی اس کے باطن میں جھانکنے کی قدرت تو نہیں رکھتی تھی لیکن آنکھوں سے کچھ گئی تھی کہ اس شخص کا وہن شیطانی انداز میں سوچ رہا ہے کوئی شیطانی حکیم بنا رہا ہے اور یہ بھی ملے تھا کہ وہ اس وقت اپنی تیسری اور آخری خواہش کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

اچانک دین اختر کی آنکھیں چمکے لگیں۔ جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہو دیوی کو اپنا

دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ یہ فتنہ کوئی بے حد خطرناک تیسری خواہش کرے گا۔

ذہین اختر نے تین بار تکی بجا لی۔ دیوی کا ہاتھ اسکارف کی طرف بڑھا لیا اس نے اسے واپس کھینچ لیا۔ اب دشمنی ہے تو دشمنی ہی سہی۔ اس نے سوچا۔ میں اسے انتظار کراؤں گی تاکہ اسے غصہ آئے اور غصہ آئے گا تو یہ گھٹیا ہیں بھی کہے گا اور گھٹیا پن میں آدمی فطرتی بڑی آسانی سے کرتا ہے۔ فکر ہے غصے میں یہ وہ شیطانی سکیم بھی بحال جائے جو اس نے ابھی بنائی ہے۔

☆—————○—————☆

ذہین اختر نے تالیاں بجانے کے بعد ادھر ادھر دیکھا لیکن دیوی اسے کیس نظر نہیں آئی۔ اسے یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ دیوی کہاں نمودار ہوگی۔ اس نے غیر ارادی طور پر گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر حلقہ فی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ایک منٹ ہو گیا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔ بے چینی کے ایک جھوٹے امید کے سارے چراغ بجھا دیے۔ کیا وہ سب وہم تھا؟ وہ لذت اور خوش دانت کھانا فریب تھا؟ وہ دیوی فریب نظر تھی؟ اگر ایسا تھا تو اب کیا ہو گا؟ اس کی سکیم کا کیا ہے گا؟

مزید وقت گزرا تو اس پر غصہ اور جھنجھلاہٹ طاری ہو گئی۔ وہ بے تکی سے ادھر ادھر ٹپکنے لگا پھر وہ ہر کونے میں بھاٹکا پھرا۔ کچھ خیال آیا تو اس نے پھر تین بار تکی بجا لی۔ اس بار بھی کچھ نہیں ہوا تو وہ مسلسل تالیاں بجانے لگا۔ وہ نیم پگل ہو رہا تھا "اسے سنو دیوی اتنی دیر کیوں کا رہی ہو۔ تم آتی کیوں نہیں؟" اس نے ہاتھ روکے بغیر چلا کر کہا "ارے تم کہیں جھوٹ موٹ کی تو سیں نہیں۔۔۔ دھوکے باز۔"

مسئلہ تالیاں بھتی رہیں پھر دروازے پر دستک ہوئی تو ذہین اختر کے ہاتھ رکے "یہ کون ناس ہو گیا اس وقت؟" وہ بڑبڑا لیکن دروازہ کھولنے کو نہیں بڑھا۔ دروازے توقف کے بعد اس نے پھر تالیاں بجانا شروع کر دیں۔

دستک بھی چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر تیز ہو گئی تیز اور مسلسل!

ذہین اختر نے تالیاں موقوف کیں اور دونوں ہاتھ اپنے کلاں پر رکھ کر دانت پیسنے

لگا۔ دستک دینے والے نے بھی تیرہ کر یا تھا کہ دروازہ کھولنے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ آخر کار ذہین اختر نے ہار مانتا چلی۔ وہ دانت پیستا ہوا دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے اس کی بڑھی چوڑی گھڑی تھی۔

"جی فرمائیے؟" ذہین اختر نے پھاڑ کھانے والے لمبے میں کہا۔

"خیریت تو ہے بیٹا؟" بڑی بی نے پوچھا۔

ذہین اختر نے بہت سے ادھر ادھر دیکھنے کی ادھکاری کی "جی ہاں میرا خیال ہے خیریت ہے لیکن آپ کہاں پوچھ رہی ہیں؟"

"یہ تالیوں کی آواز کیسی تھی؟"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" ذہین اختر نے اپنا بڑی بی سے سوال کر ڈالا۔

"پسے تو میں کبھی کہ بھڑا آئے ہوئے ہیں۔" بڑی بی نے بے حد سادگی سے کہا "میرے خیال آیا کہ تمہارے ہاں تو چنا پیدا ہونے سے پہلے شادی کی ہوتی تو ہمیں معلوم ہوتا؟ ہم تمہارے پرانی ہیں آخر۔ لہذا خسرے تو تمہارے ہاں آئیں سکتے۔ ہاں تو اس ہو سکتے ہیں لیکن اس وقت صبح کو یہ تواریوں کا وقت نہیں۔ بی بی نے کہا 'ابلی جا کر پوچھ لو۔' یا پھر کوئی چہرہ ہو۔ پڑوسیوں کا حیاں رکھنا چاہئے سو میں چلی آئی۔"

"آپ کی بی بی دی خاتون ہیں نا جو سمجھتی ہیں؟" ذہین اختر نے کات وار لمبے میں پوچھا۔ اسے امید تھی کہ بڑی بی ناراض ہو کر اس کی جان چھوڑ دیں گی۔

لیکن بڑی بی نے بے حد محبت سے کہا "اے بیٹا خاتون کیسی۔ وہ تو لڑکی ہے لڑکی ہو وہ سمجھتی بھی نہیں۔ پیدا انٹی شرارتی ہے۔ لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے آنکھیں کھلتی ہے بونہی۔ بہت پر تکیس کی ہے اس کی۔"

"تب تو کسی دن اپنا فسل۔۔۔ خون خرابہ کھائے گی۔"

بڑی بی نے اس جیسے کو جیسے سنا ہی میں "تم نے بتایا نہیں بیٹے کہ کیا ہوا تھا۔ یہ تالیاں کیوں بج رہی تھیں؟"

"میرے گھر کچھ چھڑ آئے ہوئے تھے انہیں مارے کی کوشش کر رہا تھا میں۔"

وقت ہے اسی جگہ ٹھہر گیا تھا

دیوی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن صاف پتا چل رہا تھا کہ اسے کچھ رکھائی نہیں دے رہا ہے۔ ذہین دختر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ اور نیچے ہریا "کیا ہوا دیوی بیگم۔ تمہیں سکتہ کیوں ہو گیا؟ کیا اب تمہیں جو کچھ ملتا پڑے؟"

دیوی کی پلکیں جھپکیں لیکن چہرے کے تاثر سے انداز ہوا تھا کہ اس کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آ رہا ہے۔

"ہوش میں آ جاؤ۔ تمہیں تو میں نے لیے عرصے کے لئے بک کر لیا ہے۔" ذہین دختر نے کہا "تم ہلکے ہو گئیں تو میرا کیا بنے گا۔"

اچانک دیوی کا چہرہ قہقہے لگا "تم بہت کہتے ہو..... بہت لاپٹی بہت لڑا بہت..... بہت کھینا۔ تم نے بہت اور بھی حرکت کی ہے۔"

"یہ تو تمہارا خیال ہے۔ میں لاپٹی ہوں تو دولت نہ مانگ پیتا۔ کیونکہ ہونا تو بیٹھ کے لئے تمہیں۔ مانگ پیتا۔ یہ تو سوچو کہ میں نے کتنی معصوم خواہش کی ہے۔"

"تم کبھی بہت گھٹیا آدمی ہو۔" دیوی رو ہنسی ہو گئی۔

"اچھا! یہ افسوس ہاتھیں پھوڑو۔" ذہین دختر نے صحت لہجے میں کہا "تمہاری باتوں کا میں برا نہیں مانتا لیکن بہتر ہے کہ اب کام کی بات ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ جب بھی مجھے کوئی خواہش پوری کرنی ہو تو میں سڑے بادشاہوں کی طرح تالیاں بجا کر تمہیں بلاؤں۔ اب مجھے بھی تمہاری صورت بری لگنے لگی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میری خواہش ہے کہ خواہش پوری کرنے کا طریقہ کار بدل دیا جائے۔"

"مطلب؟"

"بس سادہ سا طریقہ ہو۔ میں خواہش کرنا اور وہ پوری ہو جائے۔"

دیوی خوش نظر آنے لگی "مبارک ہو۔ تمہاری یہ خواہش پوری ہو گئی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ایسے موقعوں پر میرے اندر ہری جی جلی جاتی ہے۔"

"اور تم اتنی خوش کیوں نظر آ رہی ہو؟"

"تمہارے لئے خوش ہوں۔ تمہیں مجھ سے نبھت مل گئی۔"

"تم میرے لئے خوش ہوئے والے تو نہیں۔" ذہین دختر نے شک آمیز لہجے میں کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔" دیوی نے شک لہجے میں کہا "میری فطرت میں منافقت نہیں۔ اس لئے میں یہ بات چھپانا نہیں چاہتی کہ میں تم سے طرت کرتی ہوں۔ میں تم سے کھلی دشمنی ادا کرتی ہوں۔ تم نے میری بہت توہین کی ہے۔ میں ساری عمر موقع کا انتظار کروں گی اور بد۔ سرور ہوں گی اور میں خوش ہوں کہ تم نے اپنی قبر آپ کھود لی ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس میں گرنے میں تم کتنا عرصہ لگاتے ہو۔ یہ میں تمہیں بتاؤں کہ کوئی خواہش کرنے کے بعد تم اس کی نفی نہیں کر سکو گے۔ اس کو رد کرنے کی خواہش نہیں کر سکو گے۔"

"میں تمہاری دشمنی قبول کرتا ہوں۔" ذہین دختر نے سہلے سہلے لہجے میں کہا "اب دوسرے درمیان کھلی جنگ ہے۔"

"ہاں! اور میں اس جنگ میں اپنے تمام ہتھیار استعمال کروں گی۔ وہ بھی جو تمہارے علم میں نہیں ہیں۔"

"نہایت ہے۔ اپنے دفاع کے لئے مجھے ایک ہی ہتھیار ملتا ہے۔ خواہشوں کا خزانہ۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم اپنی کھودی ہوئی قبر میں نہایت طمانیت کے ساتھ کرو گے۔"

تمہیں بچھتا ہے اور السوس کرنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اب میں چلتی ہوں۔" دیوی نے کہا اور وہیں کھڑے کھڑے غائب ہو گئی لیکن درحقیقت وہ غائب نہیں ہوئی تھی۔ وہ

وہیں موجود تھی۔ صرف وہیں اختر کی آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ہر لمحہ اس شخص پر نظر رکھے گی۔ دیکھے گی کہ وہ اپنے وسائل سے کس طرح استفادہ کرتا ہے اور اس پر وار کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہے گی۔



وہ ذہین، اختر نے اطمینان کی کمری سانس لی اور خیالوں میں اپنے کندھے پر جھکی دی۔ اس سے بڑا خطرہ سر کیا تھا۔ وہاں میں وہ ایک ہی ایسے ہوں گے کہ ایک خواہش کی پیشکش کو اتنا ضرر دے گا جتنا اس استعمال کر سکیں۔ ورت آدمی نہ جانے کیا سوچتا ہے اور بہتر سے بہتر کے پتھر میں ٹھوکر کھا بیٹھتا ہے۔ اسے خود پر فخر ہونے لگا کہ اس نے کیسی ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ خواہش کو اس سے بہتر استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کا ثبوت دیوی کی یہی اور ناراضی تھی جو ہرگز اس کی بھی خواہ نہیں تھی۔

وہ ایک مرحلے سے کامیابی سے گزر چکا تھا۔ اس نے ایک طرح کا بینک اکاؤنٹ کھول دیا تھا اور اس بینک اکاؤنٹ میں بے حد قیمتی اور پائیدار چیز تھی۔ خواہش پوری ہونے کی گارنٹی اور اس کا بینک بینکس ایک ہزار خواہشوں کا تھا۔ ایک ہزار خواہشیں پوری ہوں گی۔ کی گارنٹی اور اس وقت بلاشبکہ وہ دنیا کا امیر ترین آدمی تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ اپنی دولت کی سرمایہ کاری کیسے کرے کہ اس کی دولت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ممکن ہو سکے۔

اس کے ذہن میں ایک خیال پسے سے موجود تھا۔ پسے اسے اس کے کل عمل ہونے پر غور رہا تھا اور پھر تجزیات طے کر لی تھیں۔ یہ اندازہ تو اسے چند منٹ میں ہی ہو گیا کہ اس کا نتیجہ بے حد شاندار اور منفعت بخش ہے۔ وہ تفصیلات پر غور کر رہا۔

اسے کچھ چرواں کو ممنوعہ قرار دے کر ان سے پرہیز کرنا تھا۔ اپنے معاملے میں وہ ابتداء ہی میں ایسا کر چکا تھا۔ اس نے اپنے لئے دوست طلب نہیں کی تھی۔ لہذا یہ تو پسلا گراؤنڈ روس ٹھہرا۔ دوسرے اس نے سوچا کہ وہ کسی کے لئے موت کی خواہش نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ جسمانی ٹوٹ پھوٹ کے معاملے میں بھی اسے بہت محتاط رہنا تھا۔

پھر اسے حتی الامکان قدرت کے معاملات میں دخل اندازی سے بچنا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ اللہ والا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ طاقت کو تسلیم کرنے اور اس کے سامنے سر جھکانے کا قائل تھا۔ اس کے نزدیک یہ طاقت کا راستہ تھا اور یہ بات عقیدے کی نہیں تھی۔ اس کا تجزیہ تھا کہ کائنات میں سب سے بڑی طاقت اللہ کی ہی ہے۔ بہتری اسی میں تھی کہ وہ مثبت خواہشات کرے۔

تو یہ طے تھا کہ وہ دنیا کا سب سے انوکھا کاروبار شروع کرنے جا رہا ہے۔ دنیا کی منفرد ترین کمپنی قائم کرنے والا ہے۔ خواہش کارپوریشن (لا محدود) وہ ہے جو معقول معوضہ لے کر لوگوں کی معقول خواہشات پوری کرے گا۔ اس دنیا میں سب سے بڑی کمی یہی ہے۔ اللہ نے آدمی کو خواہشات کا قلام عطا ہے۔ لامحدود خواہشات دی ہیں لیکن انہیں تکمیل تک پہنچانے کے لئے وسائل بے حد محدود ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کے پاس تو وسائل نام کی کوئی چیز سروسے سے موجود ہی نہیں۔

وہ جتنا سوچا گیا اس کا یقین بڑھتا گیا۔ وہ جو چیز فروخت کر رہا تھا اس کی ڈیمانڈ ہر جگہ تھی اور بہت زیادہ تھی۔ وہ پھر خود کو شاہش دینے لگا کہ عام لوگوں کی طرح دولت کی خواہش کرنے کے بجائے اس نے دولت کمانے کا یہ طریقہ اختیار کیا۔ اس نے خود کو بیسیس جماعت کر دیا۔ ایک بار دولت حاصل کرنے کے مقابلے میں مسلسل دوست حاصل کرنا زیادہ سود مند بھی تھا اور محفوظ بھی۔ اس طرح دولت جیسی آلی جالی شے بھی اس کے پاس صرف آلی رہتی جالی بھی نہیں۔

سوال یہ تھا کہ کارپوریشن وہ کیسے شروع کرے۔ ایک شاندار دفتر شہر کے قلب میں ہو۔ اخبارات میں کارپوریشن کے اشتہارات چھپیں۔ سنگدل سے سنگدل محبوب آپ کے قدموں میں۔ تنہا کیسی ہی ہو پوری ہوگی۔ وہ خواہش ہی کیا جو پوری نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ آپ ہی آپ اس دیا۔ یہ تو فراڈ قسم کے ٹیموں اور جلد فوٹے کرنے والوں کے اشتہارات تھے۔ وہ اپنے دعوے میں سچا تھا لہذا اس کے اشتہارات بھی اور طرح کے ہوں گے۔

اسے اچانک خیال آیا کہ یہ کارپوریشن قائم کرنے کے لئے اور اشتہار بازی کے لئے دوست درکار ہوگی۔ وہ دولت کمال سے آئے گی۔ جبکہ وہ دولت کی خواہش نہ کرنے کا عند کر چکا ہے۔ دولت؟ وہ سمجھ گیا۔ ہر بہن دوست ہی پر آکر ٹوٹتی ہے۔ خیر اس کا بھی کوئی حل نکل آئے گا۔

وہ اس مسئلے میں سوچنے لگا لیکن ٹھیک طرح سے سوچا نہیں جا رہا تھا۔ وہ اپنی توجہ مرکب نہیں کر پا رہا تھا۔ وجہ اس کی سمجھ میں فوراً ہی آگئی۔ اسے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ شدید طلب!

چائے؟ نئی مسمون سی خواہش! وہ خواہش کارپوریشن (لا محدود) قائم کر کے دوسروں کی خواہشیں پوری کرنے کے سفر پر نکل رہا تھا۔ خود چائے سے محروم بیٹھا تھا۔ یہ کیسا مقام جہت ہے۔ چائے؟ اس کی جیب میں تو پیسے بھی نہیں ہیں۔ ہاں اس کے پاس ایک ہزار پوری ہونے والی خواہشوں کا اسٹاک ہے۔

تو پیسے چائے بنی چاہئے۔ اس نے فیصلہ کیا۔ یعنی چائے کی ایک پیالہ پر ایک قیمتی خواہش ضائع کی جائے؟ کیوں نہیں۔ وہ بڑبڑایا۔ ایک خواہش کم ہونے سے مجھے کیا فرق پڑے گا۔ جب ہمارے گاہیں خواہشات کے بینک بٹنٹس میں اضافہ کر لوں گا لیکن چائے کی صرف ایک پیالہ کیوں طلب کی جائے۔

وہ پلنگ پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ مجھے چائے کی پوری ایک کینٹی چاہئے۔ اس نے وعدہ کیا۔

ایک گلاسے میں چینی کی ایک چائے والی نمودار ہوئی اور غصا میں جھرتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ چائے والی قریب پہنچی تو اس نے اسے تمام لیا اور پلنگ پر رکھ لیا۔ اس نے ڈھکنا اٹھایا تو ٹہل ہو گیا۔ چائے کی مسک ایسی ہی دل خوش کن تھی۔ چائے والی بہاب بھر ہوئی تھی۔

اسے خیال آیا کہ چائے کی پیالہ تو اس نے لاکر نہیں رکھی۔ یہ سوچ کر وہ پیالہ لانے کے لئے اٹھ تو چائے والی لڑھک گئی۔ اس کے سنبھالتے سنبھالتے چائے والی غل ہو

پہلی تھی۔ پلنگ کے بالوں سے چائے اب بھی ٹپک رہی تھی۔ نیچے فرش پر چائے کا اچھا خاصا سحاب بن گیا تھا۔

اس کا بس چل وہ نیچے گری ہوئی چائے کو سینٹا شروع کر دیتا۔ وہ بڑی قیمتی چائے تھی۔ وہ کوئی کپڑا تلاش کرنے کے لئے اٹھ رہا تھا۔ تاکہ نیچے گری ہوئی چائے کو خشک کر سکے۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ چائے کی طلب تو دیں کی دیں رہ گئی۔ چائے پئے بھر تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چلو ایک خواہش اور سی!

لعلی اس کی اپنی تھی۔ پلنگ اس لئے نہیں ہونے کہ ان پر بیٹھ کر چائے پی جائے۔ اس بار وہ چائے کی پیالہ لے کر نیچے در کی پر آئینہ "مجھے چائے سے بھری ہوئی ایک چائے والی درکار ہے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

پیسے کی طرح ایک اور چائے والی نمودار ہوئی۔ اس بار اس نے بڑی احتیاط سے چائے والی کو پکڑا اور پیالہ میں چائے نکالی۔ چائے کی صورت دیکھتے ہی اسے غصہ آ گیا۔ چائے میں دودھ نہیں پڑا ہوا تھا۔ وہ نکلی چائے تھی۔

اسے احساس ہونے لگا کہ لفظوں کی ہیئت اس سے کیسے زیادہ ہو گئی ہے۔ جتنا وہ کچھ رہا تھا۔ اسے لفظوں کے معاملے میں بہت محاذ رہنا ہو گا۔ اپنی بات مکمل وضاحت اور صراحت سے کہنے کی عادت ڈالنا ہو گی۔ یہ طے تھا کہ یہ دیوی کی بد معاشی ہے۔

چائے اسے بہر حال دینا تھی۔ اب وہ پھر چائے طلب کر کے کیوں شرمندہ ہو۔ اس بار اس نے دودھ کی خواہش کر ڈالی۔

ایک گلاسے میں دودھ والی بھی آگئی!

اس نے چائے میں دودھ ملایا اور جھپے سے پی دیا۔ چائے کی طلب بہت زور پکڑ گئی تھی۔ اس نے بے تکلی سے پیالہ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی اور چائے کا گھونٹ لیا۔

وہ اس کے لئے قیامت کا لمحہ تھا۔ اسے اچھو ہو گیا۔ چائے میں چینی کی جگہ لک مل گیا ہوا تھا۔ وہ کڑوی زہر ہو رہی تھی۔

ایک نقصان ہو رہا۔ چائے کی پیالہ اس کے ہاتھ سے پھوٹی ہوئی گر کر ٹوٹ گئی

تھی۔ دوسری بھی گیلی ہوئی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ چائے کی طلب وہیں کی وہیں تھی۔

چائے اب صرف طلب نہیں رہی۔ اس کی اتنا کامیابی ہو گئی تھی کہ مجھے بہت اچھی خوش ذائقہ اور نارمل چائے کی چائے دانی چاہئے۔ عام سی چائے جس میں پی لیتا زیادہ ہو بیٹھا نہ بہت زیادہ ہو نہ بہت کم اور دودھ بھی مناسب مقدار میں ہو۔ شام نے مجھے نارمل چائے لاکر دیا۔

ایک اور چائے دانی آئی۔ اس نے زمین ہٹا کر رکھنا معلوم تو وہ چائے ہی ہوئی تھی۔ ملک بھی بہت اچھی تھی اور صورت بھی۔ باقی پینے پر ہی پتا چلا۔ وہ جاگر مین سے ایک اور خلل پانی لے آیا۔ پانی میں چائے ڈالتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھوں میں کرڈش ہے۔ یہ تشویش ناک بات تھی۔

اچانک اس کے ہاتھ سے قابو ہو گئے اور پانی اور چائے دانی دونوں ٹوٹ چکے تھیں۔ اس بار وہ دونوں ہاتھوں سے سر قلم کر بیٹھ گیا۔ بے بسی کا ایک ایسا شکل کر دینے والا احساس اسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی لرز رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟" وہ پوچھا۔ "یقیناً یہ سب کچھ وہ محسوس دہری کر رہی ہے۔"

اس نے دہری کو دے دار تو نصیر لیکن اس کی تسلی نہیں ہوئی۔ وہ سوچتا جاتا ہوا زمین رکھتا تھا۔ وہ یقین رکھتا تھا کہ اسل زمین پر خدا کا نائب ہے یعنی وہ تمام مخلوقات سے برتر ہے۔ دیوی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ بس ایک ہی طاقت تھی جس کے سامنے وہ بے بس تھا۔ وہ طاقت اللہ کی تھی۔

اس کی چار خواہشات صالح ہو چکی تھیں اور چائے کی طلب پھر بھی نہیں مٹ سکی تھی۔ یہ بہت بڑا خسارے کا سودا تھا لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس نقصان میں بھی فائدہ ہے۔ وہ ٹٹلے تو اس کے تجربات میں پیش ہوا منفذ ہو سکتا ہے جو عمر بھر اس کے کام آئیں گے بس اسے تجزیہ کرنا ہوگا۔ سمجھنے کی کوشش کرنا ہوگی۔

اس نے غصے اور تعجباً اس کو ذہن سے جھٹکا اور غصے دل سے سوچنے بیٹھ گیا۔ پہلی بات تو یہ کہ لفظوں کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں خوب اچھی طرح آگئی۔ کیسی عجیب بات ہے لفظ دنیا کی اڑاؤں ترین شے! اور اہم؟ لفظ جو ہر انسان بے دریغ بولا ہے۔ بے سوچے سمجھے بولا ہے جنہیں سننے والے بھی اہمیت نہیں دیتے۔ لفظوں کی اتنی اہمیت ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ دعا کرتے وقت آدمی کو بہت محتاط رہنا چاہئے لفظوں کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔ کیونکہ حقیریت کے لفظوں میں دعا لفظ ہے لفظ قبول ہو جاتی ہے۔

دوسری بات اس کی سمجھ میں یہ آئی کہ تقدیر بڑی چیز ہے۔ اہمیت کتنا تھا کہ چٹا تقدیر بڑی چیز ہے۔ تقدیر کا لکھا نہیں مل سکتا۔ آدمی کو بس دعا کرتے رہنا چاہئے عاجزی کے ساتھ 'اللہ کے سامنے ہاتھ اور معمولی پھیلا کر بھکاریوں کی طرح' دعا قبول ہو جائے تو اللہ تقدیر کا لکھا بھی بدل دیتا۔ وہ تو حاکم ہے۔

تو دوسری بات یہ تھی کہ اللہ کے سامنے عاجزی ہی بہتر ہے۔ اب بھی دیکھ لو کہ چائے تمہارے سامنے آئی۔ تمہاری دسترس میں تھی لیکن گرتی۔ تم چائے پیا نہیں سکے۔ خواہش تو پوری ہو گئی جس ملا کچھ بھی نہیں۔ تو پھر عاجزی سے کی جانے والی دعا یقینی طور پر پوری ہونے والی خواہش سے بہتر ہوتی ہے۔

تو ہونا چاہئے کہ پسے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی جائے اور اس کے بعد خواہش کی جائے لیکن یہ بھی دہری میں رکھنا ہوگا کہ ضروری نہیں 'دعا فوری طور پر قبول ہو جائے۔ دعا کتنا تھا بیٹے دعا کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ بعض اوقات دعا دہری میں قبول ہوتی ہے کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ زندگی ختم ہو جاتی ہے اور دعا قبول نہیں ہوتی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اس کا اجر آخرت میں دیتے ہیں اور دعا سے بڑھ کر دیتے ہیں۔ جو دعا اللہ کو منظور نہیں ہوتی اس کا بدلہ بھی وہ دعا سے بڑھ کر دیتے ہیں۔

تیسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ اس کے معلومہ لے کر دوسروں کی خواہشات پوری کرنے کا فیصلہ درست کیا ہے۔ تمام تر احتیاط کے باوجود اگر گڑبڑ ہوگی تو نتائج بھی

خواہش کرنے والوں ہی کے حصے میں آئیں گے۔

چوتھی بات یہ ملے ہوئی کہ دیوی نے دشمنی کا تہیہ کر لیا ہے۔ اسے اس کی طرف سے محتاط رہنا ہو گا۔ وہ اپنی ذہانت سے دیوی کو شکست دے سکتا ہے۔

پانچویں بات یہ کہ اسے اپنے اعصاب پر قابو رکھنا ہو گا۔ آخری بار چائے اس کی اعصاب زدگی کی وجہ سے گری تھی۔ یہ الگ بات کہ اس وقت چائے اس کی تقدیر میں تھی نہ ہو۔

اب وہ بے حد بے سکون انداز میں اصل مسئلے کی طرف آیا۔ چائے کیا کیا جائے؟ اتنی خواہشات کے ہوتے ہوئے اتنی ہی خواہش سے دستبردار ہونا تو ٹھیک نہیں۔ پھر یہ بات اس کے مورال کے لئے بھی نقصان دہ ہوگی اور چائے پی کر ہی وہ سکون سے مستقبل کے لئے پلاننگ کر سکے گا۔

اس نے خود کو ہر سکون کیا اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے دس ہی دل میں عاجزی سے اللہ سے دعا کی اسے چائے پینے کا موقع جلد ہی مل جائے۔ دعا کے بعد اس کا سکون اور بڑھ گیا۔ اب اس نے بڑے احمد سے خواہش کی ”مجھے ایک پیاز بہت اچھی ہے۔ بے حد خوش و نقد دودھ پنی چائے چاہئے۔ پیاز اور پیاز کا تھوڑا سا۔“ لمبا دلی کے ہوش میں وہ اسی انداز میں چائے طلب کرتا تھا۔

چائے کی پیاز تیرتی ہوئی اس کے سامنے آئی۔ اس نے پیاز کو تمام کر سامنے رکھ دیا۔ چائے دیکھنے میں بہت اچھی لگ رہی تھی لیکن گرم بہت تھی۔ وہ دھنٹ انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے پہلا گھونٹ لیا۔ چائے بہت عمدہ تھی۔

وہ دقت دقت سے چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ پیتا رہا۔ اس کے وجود میں حمایت تیرتی گئی۔ چائے کا آخری گھونٹ یا تو وہ سرشار ہو چکا تھا۔ اس نے بڑے علوم سے اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ ترکیب بھی تھی خواہش کو دعا اور شکر کے درمیان رکھنے میں طاقت ہے۔

اب اس نے سکون سے اپنی ابھی نہیں کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اس کے

قیام کے لئے اسے سرمائے کی ضرورت تھی۔ اور یہ وہ پہلے ہی ملے کر چکا تھا کہ برہ راست دولت کی وہ خواہش نہیں کرے گا تو اس سرمائے کا بندوبست کیسے کیا جائے؟ اس کا ذہن فوری طور پر انسانی انیسویں کی طرف گیا۔ انسانی رنجل ٹکٹ پر اترنا تھا اور ایسی ہی چیزیں لیکن اس کے لئے بھی پیسوں ہی کی ضرورت تھی۔ پھر یہ بھی تھا کہ انعام ٹکٹے میں دیر لگتی جبکہ اسے فوری طور پر رقم درکار تھی۔

وہ فوری طور پر رقم حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچتا رہا ”اچانک اسے گھڑ دوڑ کا خیال آیا۔ اس میں رقم فوری طور پر مل جاتی مگر بنیادی مسئلہ اب بھی اپنی جگہ موجود تھا۔ شرط لگانے کے لئے بھی قیاموں کی ضرورت تھی۔

اب وہ ایک طرف سے تو مطمئن تھا۔ بس کچھ رقم کیس سے حاصل ہو جائے پھر وہ ریس کورس کا رخ کرے گا اور مزید رقم حاصل ہو جائے گی لیکن فوری طور پر رقم کیسے حاصل کی جائے؟ اس پر سوچتے سوچتے اچانک اسے ایک خیال سوچا گیا۔ اب وہ اپنی گھڑی فروخت کر سکتا ہے اب وہ لئے گا نہیں۔ اسے گھڑی کی معقول قیمت ملے گی۔

”میں اپنی گھڑی فوری طور پر فروخت کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا ”اس طرح کہ مجھے اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت ملے۔“

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ بارہ بجے رہے تھے۔ اس نے دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔ نیچے کوئی جانا بچا چہرہ نہیں تھا۔ وہ اکبر روڈ کی طرف چل دیا۔ دیکھا یہ تھا کہ اس کی یہ کازہ ترین خواہش کس انداز میں پوری ہوتی ہے۔

اس کے لئے اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔

اکبر روڈ پر چلنا آسان کام نہیں۔ ہر دکان کے باہر آٹھ دس موٹر سائیکلیں گھڑی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ماسی کشان سڑک بھی تنگ ہو گئی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ سڑک پر ٹریفک بھی اچھا نہیں ہوتا ہے۔ وہ بیچ بچا کر چل رہا تھا کہ کسی نے اسے روک لیا۔ ”درا وقت بتا دیجئے۔“

”جی ہاں“ اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا ”بارہ بیچ کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔“ اس

نے بتایا۔

وقت پہنچنے والا ایک خوش پوش آدمی تھا۔ ذہین اختر کو احساس ہوا کہ وہ اس کی گھڑی کو بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ اگلے ہی لمحے اس کے اندازے کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اس شخص نے کہا "ہائٹ نہ کریں تو ذرا اپنی گھڑی مجھے دکھادیں۔"

ذہین اختر نے گھڑی نکالی سے ابھر کر اس شخص کی طرف بڑھا دی۔ دونوں دو موٹر سائیکلوں کے درمیان تنگ سی جگہ میں پہنچے کھڑے تھے۔ وہ شخص گھڑی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے خود نکالی کے انداز میں کہا "بہت پیاری گھڑی ہے۔ میں بہت عرصے سے ایسی ہی گھڑی کی تلاش میں تھا۔"

"جی ہاں؟" ذہین اختر نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔" اس شخص نے کہا۔ اسی وقت ایک موٹر سائیکل سوار اس طرف آیا۔ وہ اہل موٹر سائیکل وہاں گھڑی کرنا چاہتا تھا جس دن وہ دونوں کھڑے تھے۔ اس نے ہاتھ سے انہیں ہٹانے کا اشارہ کیا۔ اتنی دیر میں ہارن بجتے گئے۔ اس موٹر سائیکل کی وجہ سے ٹریفک جام ہو رہا تھا۔

"اس طرف آئیے۔" اس شخص نے ذہین اختر کا ہاتھ تھام لیا۔ "اس شخص سے ہاتھ نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن بات کیا کہنی ہے۔" ذہین اختر نے احتجاج کیا مگر اپنا ہاتھ پھڑونے کی کوشش نہیں کی۔

"آپ آئیے تو۔" اس شخص نے اسے کھینچے ہوئے کہا۔

وہ ذہین اختر کو ریگ چوک کی طرف لے آیا۔ جہاں ایک نروٹکس کی دکانیں تھیں۔ وہاں فٹ پاتھ پر چل پھل تو تھی لیکن اکبر روڈ بھی اتنی بڑی دکانیں تھیں۔ گھڑی ابھی تک اسی شخص کے ہاتھ میں تھی۔ وہ گھڑی والے ہاتھ کو نیچا کر کے گھڑی کو دیکھے لگا۔ دھوپ کا رخ ہو۔ کی وجہ سے گھڑی سے شعاعیں نکلتی محسوس ہوئیں۔

"بات کیا ہے آخر؟" ذہین اختر نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں یہ گھڑی خریدنا چاہتا ہوں۔"

"تو اگر میں یہ کہوں کہ میں اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا۔" ذہین اختر نے تھکے طور پر عمل اختیار کیا۔

"میں آپ کو اس کی بہت مناسب قیمت ادا کروں گا۔"

"مثلاً؟"

وہ شخص جھجکا۔ اس نے ابھر اُدھر دیکھا۔ ان کے قریب وہ آدمی آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ بے حد دلچسپی سے کبھی گھڑی کو دیکھ رہے تھے، کبھی ان دونوں کو۔ "آپ لوگ جائیں۔ اپنا کام کریں۔" اس شخص نے ان دونوں سے بڑی پرمٹ سے کہا "میں کوئی تمنا نہیں ہو رہا ہے۔"

"یہ فٹ پاتھ آپ کا خریدنا چاہتا ہے۔" ان دونوں میں سے ایک نے کہا۔ وہ ابھی مر آدمی تھا۔ وضع قطع سے معزز لگتا تھا۔ وہ سراسر شخص بھی خوش پوش تھا۔ اس کی عمر تیس بیس کے لگ بھگ ہو گئی۔ وہ خاموش کھڑا مسکراتا رہا۔

"انہیں پھوڑیں۔ آپ کام کی بات کریں۔" ذہین اختر نے کہا "میں یہ گھڑی بیچنا نہیں چاہتا لیکن معقول قیمت ملے تو شاید جی بھی دوں۔"

"میں آپ کو اس کے ساتھ سو روپے دے سکتا ہوں۔"

"کافی گھڑی مجھے دے دیجئے۔" ذہین اختر نے کہا۔ اس نے وہ گھڑی چار سو روپے صرف ساڑھے چار سو روپے میں خرید لی تھی۔

"تو اس لئے بتا رہے تھے آپ ہمیں۔" دوسرے دونوں آدمیوں میں سے جوان نے گھڑی کے خریدار سے کہا۔

"کیا مطلب؟" خریدار نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے گھڑی ذہین اختر کو واپس نہیں کی تھی۔

"مطلب یہ کہ آپ اس شریف آدمی کو دن دہاڑے بھرے پرے چوک میں بوٹ رہے ہیں۔"

سے نکل چلیں۔ کیس بیٹھ کر سکون سے بات کریں گے۔

پسلا خریدار اس کے ساتھ چل رہا۔ کچھ لوگ تھوڑی دور تک ان کے پیچھے آئے پھر باجوس ہو کر واپس چلے گئے۔ ذہین اختر نے پٹ کر رکھنا۔ پولیس والے کی آمد سے پہلے ہی مجمع منتشر ہو چکا تھا۔ وہ گھڑی کے خریدار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لائیو اب مجھے ہوائی کر دیجئے۔

پسلا خریدار پریشان نظر آنے لگا "کتنی ہوائی؟"

"جو آپ نے آخری قیمت لگائی ہے۔ چار ہزار آٹھ سو۔"

"مجھے پاس تو اتنی رقم نہیں ہے۔"

"تو پھر یہ چھ کر پاں کیوں لگا رہے تھے؟" ذہین اختر نے تکی سے کہا۔ اسے بہت باجوس ہوئی تھی۔

"ہا نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے۔ بس مرٹ کا مسئلہ ہی گیا تھا۔" اس شخص نے جینینے ہوئے کہا۔

"میر تو نقصان ہو گیا ہا۔" ذہین اختر نے بھینجا کر کہا "آری کو اپنی جیب کے مطابق بولنا چاہئے۔"

اس شخص کو یہ بات بری لگی "گھڑی میں خریدوں گا۔ ہوائی بھی کدوں کا جین اس کے لئے تمہیں میرے دفتر چلنا پڑے گا۔"

ذہین اختر غرض ہو گیا "تو چلے۔"



آدھ گھنٹے بعد ذہین اختر اس شخص کے دفتر سے نکلا تو اس کی جیب میں پانچ ہزار روپے تھے۔ وہ بہت حوصلے سے پہلے سرے میں دو کامیاب ہو گیا تھا۔ اب اس کا منصوبہ۔ دوسرے سرے میں داخل ہو رہا تھا۔ "اے کامیابی کا انحصار اہل پانچ ہزار روپوں پر تھا جو اس کی جیب میں تھے۔ یہ سوچتے ہی اسے خیال آیا کہ جیب بڑی ناقابل اعتبار شے ہے۔ کٹ بھی سکتی ہے۔ اس کا بھیانک تجربہ اسے صرف دو سو پہلے ہوا تھا۔"

"میری خواہش ہے کہ میری جیب زندگی میں کبھی نہ کٹے۔" اس نے بے حد جامع خواہش کی۔

اس نے انگریزی اخبار خریدی اور ایک بہت اچھے ریپورٹس میں جا بیٹھا۔ کھانے کا آرڈر دینے کے بعد اس نے اسپورٹس کا صفحہ نکالا اور گھڑ دوڑ کے بارے میں پڑھنے لگا۔ اس سے اسے بہت کارآمد معلومات حاصل ہوئیں۔ اس نے ڈٹ کر کھانا کھلیا۔ باہر نکل کر ٹیکسی روکی اور اسے لئے رہیں کو رس چلنے کو کہا جو شہر سے باہر مصافحت میں بنا دیا گیا تھا۔ وہیں پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ جنگل میں منگل منایا جا رہا ہے۔ شہر کے سب شوقین بوک وہاں جمع تھے۔ پل رہیں تین بجے ہونا تھی۔

اس نے فارم خریدے اور ان کا جائزہ لیا۔ پل رہیں میں آٹھ گھوڑے حصہ لئے رہے تھے۔ اسے گھوڑوں کے ہاتھوں سے پا اس کے فیورٹ ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے تو صرف ہمارے سے فرض تھی۔ پل رہیں کے لئے جان عالم سب سے پھسڑی گھوڑا تھا۔ اس پر 14-1 کا مال تھا۔

ذہین اختر نے پندرہ منٹ میں فیصد کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے اس روز چھ رہیں ہونا تھیں۔ اس نے پل اور پانچویں رہیں میں بیٹھے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پہلے بوک شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں۔ اسے اندازہ تھا کہ یہ جواری بوک کس طرح کے ہوتے ہیں۔

اس نے جان عالم پر چار ہزار روپے لگانے کا اعلان کیا تو کلرک نے ہمدردی سے اسے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔

رہیں شروع ہونے سے پہلے اس نے خواہش کی "میری خواہش ہے کہ یہ رہیں جان عالم جیتے۔ پہلے نمبر رہے۔"

رہیں شروع ہوئی تو جان عالم توقع کے عین مطابق سب سے پیچھے تھا۔ لوگ پر جوش انداز میں اپنے اپنے فیورٹ گھوڑے کو جیتنے کی کڑوا دھوا دے رہے تھے پھر اچانک جان عالم کی رفتار بڑھتی شروع ہوئی۔ ایک ایک کر کے گھوڑے پیچھے ہونے لگے۔ رہیں

کورس کا شور و عمل سننے میں تبدیل ہو گیا۔ دنگ پوسٹ اب تھوڑی دور تھی اور جان عالم صرف ہٹ لیورٹ گھوڑے مسانے میں سے پیچھے تھا۔ اب صرف مسانہ میں پر شرمیں لگنے والے چارہے تھے۔

لیکن آخری پانچ میٹر کے فاصلے میں پانسا پٹ گیا۔ جان عالم نے واضح برتری کے ساتھ ریس جیت لی۔ دین اختر رقم لیے ونڈو پر پہنچا تو کلرک نے مسکرا کر اسے دیکھا "آپ کا ٹوک تو خوب لگا جناب۔"

"میں نے اسے طور پر چار ہزار دو روپے تھے۔" دین اختر نے بے یارمی سے کہا۔ دوسری 'تیسری اور چوتھی ریس میں بھی اس نے سب سے زیادہ بھاؤ والے گھوڑوں پر پانچ ہزار روپے لگائے اور ہار گیا۔ اب اسے پانچویں ریس میں سہا ہاتھ دینا تھا۔ گھوڑے کا نام تھا ملک ہو اور اس پر بھاؤ 1-2 کا تھا۔

وہ ونڈو پر پہنچا اور اپنی جیب غلی کر دی "یہ 45 ہزار سنگ ہو پر۔" اس نے کہا۔ کلرک اب اسے پچاں چکا تھا۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا "آپ چار ٹوک کہیں چکے ہیں جناب۔"

"ہاں۔۔۔ ایک لگا اور تین ناکام ہوئے۔ اب میں پانچواں ٹوک کھیل رہا ہوں۔"

"لیکن اتنی بڑی رقم؟"

"قسمت ساتھ دے تو اس پر اعتبار بھی کرنا چاہئے۔" دین اختر نے غاص جوارہوں کے امداد میں کہا "تین بار میں نے غلطی کی کہ تھوڑی تھوڑی رقم لگائی اب پوری طرح اعتبار کر رہا ہوں قسمت پر۔ ہار گیا تو سمجھ لوں گا کہ میرے چار ہزار پہلی ہی بار ڈوب گئے تھے اور یہ بھی ہے کہ چار ہزار میں میں نے کتنی خرچ کر لی۔"

"آپ کی سوچ بڑی زبردست ہے جناب۔ دش ہو گڈ لک۔"

"شکریہ۔"

دین اختر نے خواہش کی تھی مڈا ملک ہو کے نہ جیتے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ دین

اختر و لاکہ کا مالک بن چکا تھا۔ وہ باہر آیا جہاں کاروں کے علاوہ خاصی تعداد میں ٹیکسیاں موجود تھیں ان میں اسے وہ ڈرائیور بھی نظر آیا جو اسے یہاں لے کر آیا تھا۔ وہ اس کی طرف پکا خوش نظر آرہے ہیں صاحب۔ گنا ہے لبا مل جیتا ہے۔" ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے لے کر چار خوش کردوں گے نہیں۔"



دین اختر کے لئے دو رات بہت بھاری تھی۔

ریس کورس میں کچھ نہیں ہوا۔ جیسی کے سڑکے دوران بھی کچھ نہیں ہوا لیکن گھر پہنچے ہی اسے بخار ہو گیا۔ کاسیالی کا بخارا

چوتھی منزل کا دق کرا تھا۔ وہی کھلی کھڑکیوں سے کمرے میں آتے ہوئے ہوا کے جھڑکے۔ لیکن اس کا ضمیر پیٹے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اندر تھر تھری سی دوڑ رہی تھی۔ وہ سبہ یعنی سے نوٹوں کو پھوکر دیکھا۔ کبھی اپنے جسم میں چکی لیتا کہ کیس یہ خواب تو نہیں۔ وہ جو اس یقین کے لئے اپنے جسم میں چکی بھرے کا قائل ہی نہیں تھا۔ اب بار بار اپنے چنگیاں لے رہا تھا اور اس کے باوجود اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابتدائی مرحلے میں ہی وہ لکھ چکی ہو چکا ہے۔

لولاک روپے!

یقین آ گیا تو اس پر لئے کا خوف طاری ہو گیا۔ کوئی آئے گا اور اسے لوٹ کر لے جائے گا۔ اس کے پاس لولاک روپے چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے خواہش کی تھی کہ ذمہ داری میں کبھی اس کی جیب نہ سکے۔ تو گویا رقم کے لئے محفوظ ترین مقام اس کی جیب تھا لیکن لولاک روپے جیبوں میں رکھ کر کوئی سو نہیں سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ کوئی گھر میں گھس آئے اور اس کی جیبیں غلی کمالے تو یہ جیب کتنے کا نہیں ڈکیتی کا کیس ہو گا۔ تو پھر ایسا کیا جائے کہ رقم جیبوں میں لئے وہ باہر نکل جائے اور بینک کھلنے تک باہر ہی گھومتا رہے۔

اسے احساس ہوا کہ وہ بڑیائی انداز میں سوچ رہا ہے۔ رات کو باہر جیب کھڑے تو نہیں ملیں گے لیکن پولیس واسے اسے آوارہ گردی کے جرم میں ضرور پکڑ لیں گے۔ اس کے بعد اس کے پاس نو لاکھ روپے میں سے نو پچیس بھی نہیں بچیں گے اور اسے جیب کتنا بھی نہیں کہا جائے گا۔

اسے محسوس ہوا کہ خواہش کرنے ہی میں طاقت ہے!

”میری خواہش ہے کہ میں زندگی میں کبھی نہیں ہوتا ہوں۔ میرے گھر بھی چوری نہ ہو کبھی ڈاکا نہ پڑے راستے میں بھی کبھی مجھ سے رقم نہ چھینے۔“

یہ خواہش کرنے کے بعد اسے تہرے سکون ہو گیا لیکن لگھ پٹی بننے کی سستی ایسی نہیں تھی کہ آسانی سے مٹھلے رہتی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ خلل کلائی دیکھ کر اسے یاد آیا کہ گھڑی سے تو وہ محروم ہو چکا ہے بلکہ اس گھڑی ہی نے اسے نو لاکھ کا مالک بنایا ہے۔ یہ خیال آگیا ہوتا تو اس نے وہابی میں گھڑی ٹھہرا لی ہوتی۔

وہ گھڑی میں جا کھڑا ہوا۔ رات کی روشنیوں اور روشنی معمول کے مطابق تھی۔ من سے وقت کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں تھا۔ اسے اتنا معلوم تھا کہ وہ آٹھ بجے کے لگ بھگ گھر پہنچا تھا۔ گھر آئے ہوئے کتنے دیر ہوئی اس کا اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔ کیفیت ہی ایسی تھی کہ اس میں وقت کا پتا نہیں چل سکتا تھا۔

دیسے وقت کی اتنی اہمیت بھی نہیں تھی۔ بھوک اسے بالکل نہیں تھی اور لگتا تھا کہ بھوک لگے گی بھی نہیں نو لاکھ روپے کا شہ ایسا تھا کہ اس نے ہر خواہش کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔ اسے تو نیند بھی نہیں آسکتی تھی۔

لیکن نیند بہت ضروری تھی۔ اسے ایک اچھی نیند لے کر صبح معمول کے مطابق اٹھنا تھا۔ رات بینک میں جمع کر کے اسے اپنا دفتر قائم کرنے کی فکر کرنا تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اس کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

نیچے اسے سیمن ایک طرف جانا دکھائی دیا۔ اس نے اسے پکارا۔ سلیمان نے سر اٹھا کر اسے دیکھ تو اس نے پوچھا ”سلیمان وقت کیا ہوا ہے؟“

”سازمے دس بجے ہیں ذہین بھائی۔“

وہ گھڑی سے ہٹ آیا اور بستر پر بیٹ کر سوئے کی کوشش کرے لگا۔ اس بات کا یقین تھا کہ بھوک اسے کم از کم رات کو پریشانی نہیں کرے گی اور صبح وہ بہت چھا پاشتا کر لے گا۔ بس سونا ضروری ہے۔

اس کے اندازے کے مطابق ڈیڑھ گھنٹا ہو گیا اور اسے نیند نہیں آئی۔ گرد و پیش کی تمام آوازیں معدوم ہو چکی تھیں۔ صرف رات کی مخصوص آوازیں رہ گئی تھیں۔ آدھی رات ہو چکی تھی کیا وہ صبح تک اسی طرح جاگتا رہے گا؟

”میں نہ سکون نیند سونا چاہتا ہوں۔“ اس نے بے سائنت کہا ”صبح لو بجے تک۔“

آدھے صبح کے اندر اندر وہ سو چکا تھا۔

صبح جانے کس وقت وہ ساگا۔ ایک لمحے کو اس نے آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں لیکن اس کے بعد وہ سو بھی نہیں سکا اور جاگنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں رہا بلکہ پوری کوشش کے باوجود وہ آنکھیں بھی نہیں کھول سکا۔ عجیب سی بے چینی اور بے سکونی تھی۔ وہ کراہیں بدلتا رہا۔ جانے کتنی دیر یہ نصیبت رہی۔ اسے ہر حال اب لگ رہا تھا۔ کہ وہ مشکل ایک گھنٹا سکون سے سویا ہے اور اس خراب کیفیت کو چھ سات گھنٹے ہو گئے ہیں۔

آخر کار اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں اب بھی اندھیرا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کھڑکیں بند ہیں۔ اسے یاد تھا کہ وہ کھڑکیں کھلی چھوڑ کر سو رہا تھا۔ سونے سے ایک منٹ پہلے تو وہ گھڑی کے سامنے کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا اور اسے یاد تھا کہ بستر پر آنے سے پہلے اس نے گھڑی بند نہیں کی تھی۔

اس نے بے ساختہ گھڑی دیکھنا چاہی۔ خن کلائی دیکھ کر اسے یاد آگیا۔ وہ گھڑی کی طرف گیا اور اسے کھول کر دیکھا۔ باہر دھوپ دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ وہ ہاتھ روم کی طرف پکا۔

تیار ہو کر وہ بھری ہوئی میوں کے ساتھ نیچے آیا۔ وقت معلوم کیا تو پتا چلا کہ بارہ

بچتے رہے ہیں۔ یہ قریبی بینک کی طرف بھاگے۔ کلرک نے بڑی بے نیامی اور نچوٹ سے اسے فارم دیا کہ اسے بھرا لے۔ فوری طور پر کوئی تعارف کرائے والا اسے میر نہیں تھا۔ اس سے اس مسئلے میں کلرک سے بہت کی توہ بولا کہ یہ اس کا درد سر نہیں۔ وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

دیں خیر کہ اس پر بہت قصہ آیا لیکن قصہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ کلرک کو وہ بعد میں بھی بتا سکتا تھا کہ وہ کتنا بڑا آدمی ہے۔ فی الوقت تو اکاؤنٹ کھول کر نقد رقم کے بوجھ سے بچھا چھڑانا تھا۔

وہ نمبر کے کمرے میں چلا گیا۔ نمبر نے بھی ابتداء میں بے رخی برقی مکر دیا اسے اندازہ ہوا کہ زمین آخر بینک کا مستقبل کا بڑا کلائنٹ ہے تو اس کا رویہ تبدیل ہو گیا "تعارف کی آپ لکرنہ کریں۔ وہ ہم کریں گے۔" اس نے گرم جوشی سے کہا "آپ اس یہاں دھنڈا کر رہے ہیں اور اپنا شاحتی کارڈ دکھائیں۔ فارم بھی میں ہی بھریں گا۔"

یوں زمین آخر کا بینک اکاؤنٹ کھل گیا!

☆-----○-----☆

وہ پانچ مہری عام سا اشتہار تھا جو ملک کے تمام اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ وہ نمایاں طور پر اور کسی نمایاں مقام پر نہیں چھاپا گیا تھا لیکن ایسے اشتہاروں پر بھی ضرورت مندوں کی نظر تو پڑی جاتی ہے۔ وہ اشتہار بھی دانگل نہیں گیا۔

پھر گوں ایسوی فیس کے دفتر میں سینہ داؤدے بڑی توجہ سے وہ اشتہار پڑھا۔ تیسری بار اشتہار پڑھنے کے بعد اس نے لقمہ کھوں کر اشتہار پر نقش لگایا اور اپنے پارٹر سینہ احسان کی طرف پڑھا "ڈرا یہ تو پڑھو۔" اس نے کہا۔

احسان نے اخبار لیا اور اشتہار پڑھنے لگا۔

حوالہ کا پورا ہونا اب کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ کی ہر خواہش پوری ہو سکتی ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ کوئی فراڈ نہیں۔ آپ معاوضہ خواہش کی تکمیل کے بعد اد کریں۔ ہم آپ کے مسائل سائنٹفک انداز میں حل کرتے ہیں۔ پورے احمد کے

ساتھ رجوع کریں۔ خواہش کارپوریشن (لاہور) فون نمبر 420420۔

اشتہار پڑھ کر سینہ احسان ہنسنے لگا "میں سمجھ گیا تم اسی لئے خبروں کے بجائے اشتہار کا صفحہ زبان توجہ سے پڑھتے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"سنو خبروں کے اس دور میں اشتہارات بڑی نعمت ہیں یوں کہاں کسی کو ہنس آتی ہے۔ اس دور میں تو مسکراتا بھی مشکل ہو گیا ہے۔"

"میں یہ مسئلہ ہنس کے لئے نہیں پڑھتا۔" داؤد نے بد مزگی سے کہا "اور یہ اشتہار بھی میں نے تمہیں تقریباً نہیں دکھایا ہے۔"

احسان بھی سنجیدہ ہو گیا "تم اس پلاٹ کے حوالے سے بہت کر رہے ہو؟"

"ہاں" سینہ داؤد نے کہا "وہ مسئلہ ہے ہی اٹکا ہوا۔"

مسئلہ واقعی بڑا تھا۔ وہ صدر کے علاقے میں ایک بہت بڑا رہائشی اور تجارتی پروجیکٹ شروع کرنا چاہتے تھے جس جگہ اس پلاٹ کو قبضہ ہونا تھا وہاں کچھ کچھ مکاں اور کچھ دکانیں تھیں۔ ان کے علاوہ باقی زمین ان کے پاس تھی۔ انہوں نے وہاں کے رہنے والوں اور کاروبار کرنے والوں سے متعلقے داسوں میں خریدیں تھی لیکن عین دکانیں مسئلہ بن گئیں۔ وہ انہیں بھی فرنٹ پر اور ایک ہی شخص کی ملکیت تھیں۔ عہد الزماں نے ان کی بڑی سے بڑی آفر ٹھکرا دی تھی۔ وہ اپنی زمین بیچنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔

"تم باجوس بہت جلدی ہو جاؤ ہو داؤد۔" سینہ احسان نے کہا "اسی لئے کاروبار میں ضعیف الاعتقادی کو گھسیٹ لائے ہو۔"

"ضعیف الاعتقادی کیسی؟" سینہ داؤد بولا "تم نے اشتہار غور سے نہیں پڑھا۔"

اس میں سائنٹفک انداز کا دعویٰ کیا گیا ہے۔"

"میں اشتہار کے لفظوں کو اہمیت نہیں دیتا۔" احسان نے زہر خند کے ساتھ کہا "یوں تو تم بھی اشتہار دیتے ہو کہ ملکیت کی بینک کے بعد صرف ماہانہ اقساط دینی ہوں گی۔ اس کے باوجود بینک کرنے والوں سے یہ ہائی شیشی اور سلاٹ اقساط الگ سے وصول

کرتے ہو۔"

یہ دلیل ایسی تھی کہ سینہ دوا نہ چاہے ہوئے بھی خاموش ہو گیا۔ ورنہ جواب دہیں اس کے ذہن میں موجود تھی لیکن احسن کے جیسے نے اس کے ذہن کو غلط کر دیا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھ گیا "میں عبدالرزاق سے ملنے جا رہا ہوں۔" اس نے کہا "میں کے معاملات تم منہاجل لینا۔"

☆—————○—————☆

شبت کل ہوس و محبت کے لئے وہ اشتہار خصوصی دیکھی رکھتا تھا؟

نانکہ صبح سے اپنے شوہر عامر کو جگانے کی کئی کوششیں کر چکی تھی اور اب بھینجا رہی تھی "میں" غری بار کہہ رہی ہوں عامر کہ اٹھ جاؤ۔" اس نے پاؤں جھٹکتے ہوئے کہا "اس کے بعد تم بھلے شام تک پڑے سوئے رہو۔ میں میں بنگالوں گی تمہیں۔"

عامر جمید سے آنکھیں کھول دیں "کیا مصیبت ہے بھئی۔" وہ بھینجا گیا مگر جیسے ہی اس کی آنکھ دھاری کلاک پر پڑی اس کی بھینجا ہٹ ہوا ہو گئی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے "ارے اتنی ابر ہو گئی اور تم مجھے اب اٹھا رہی ہو؟" وہ پھر بھینجا گیا۔

"میں تمہیں ساڑھے آٹھ بجے سے جگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" نانکہ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اب تم ہاتھ روم جاؤ میں ناشتہ لگاتی ہوں۔"

عامر ہاتھ روم چلا گیا۔ ہاتھ روم میں وہ حیرا کے متعلق سوچ کر بھینجا رہا۔ یہ سب کچھ حیرا کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ وہ اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔ اس کی حیوانی طلب دھواگئی کاروبار اختیار کر گئی تھی۔

مسئلہ یہ تھا کہ حیرا بھی شادی شدہ تھی۔ حالانکہ جس طبقے سے وہ تعلق رکھتے تھے اس میں یہ کوئی مسئلہ نہیں ہوتا مگر حیرا عجیب عورت تھی۔ اس کا اپنا گناہ و ثواب کا ایک فلسفہ تھا۔ وہ آزاد حیاں تھی لیکن شوہر سے وفاداری پر ایمان رکھتی تھی۔ اس کا شوہر قریہ محمد دوست مدد بست تھا۔ لیکن شخصیت کے اعتبار سے منفرد تھا۔ دولت کمانے کے طریقوں کے سوا اسے کچھ نہیں آتا تھا۔ کہیں بیٹہ نہ کر احماد سے کسی بھی موضوع پر گفتگو نہیں کر

سکتا تھا۔ حیرا کو یہ کی بہت شدت سے محسوس ہوتی تھی حساسی اعتبار سے بھی فریہ بھرا آدمی تھا۔ روحانی مولیٰ تو میرا سیلو!

دوسری طرف عامر جمید بہت حورید اور وجیرہ تھا۔ سوسائٹی کی بیشتر عورتیں اس کی قربت کی منتہی رہتی تھیں۔ حیرا فریہ بھی مستحق نہیں تھی۔ بس ایک لڑکی تھا۔ عامر حیرا پر بری طرح فریفتہ ہو گیا تھا۔ حیرا سے پہلے ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈال پر جھٹکتے ہوئے بچوں کو ہاتھ بڑھا کر توڑتا اور تھوڑی دیر بعد اسے پھینک کر آگے بڑھ جاتا لیکن حیرا ہی وہ بھول ہاتھ بڑھانے پر مجبور کر اس کی پہنچ سے دور ہو جاتا تھا۔

اس کے درمیان گھڑیل میل جول تھا۔ محفلوں میں بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ہر بار وہ تنہائی میں بھی ملے لیکن حیرا نے ہر فرس عامر کی پیش قدمی کی ہر کوشش نام کامیابی میں جب تک اپنے شوہر کی ہوں اس کی دفا دار رہنا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر مجھ سے ملنا چھوڑ دو۔" عامر نے بھینجا کر کہا "تمہاری آنکھوں میں مجھے اپنے لئے۔"

حیرا نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی "میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ بہت زیادہ پسند کرتی ہوں" بھئی تو مجھے لگتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن یہ سب کچھ ویسے نہیں ہو سکتا جیسے تم چاہتے ہو۔"

"تو پھر کیسے ہو سکتا ہے؟" عامر کے لیے میں امید تھی۔

"مجھے سے شادی کر لو۔"

عامر جمید سنانے میں آگیا۔ پھر اس نے سبھل کر کہا "تم اپنی بوی کو طلاق نہیں دے سکتے۔"

عامر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ ایک ذاتی بینک کاؤنٹ کے سوا کاروبار سمیت کوئی بھی چیز اس کی نہیں تھی۔ سب کچھ نانکہ کے نام تھا۔ نانکہ کو طلاق سے کر تو وہ خود ایک بہت بڑا مغربس کر رہا تھا "اچھا سوچوں گا۔" ذرا سے توقف کے بعد اس نے مجھے مجھے لیے میں کلا۔

یہ اس کے اور حیرا کے درمیان ہونے والی آخری گفتگو تھی اور اس گفتگو نے اس کا سکون لوٹ لیا تھا۔ رات کو سو اس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا۔ وہ خواہش سے جہاں جسم لئے ہسپتال پر کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ عذاب اس کی صحت پر بھی اثر انداز ہو رہا تھا۔ وہ ناشتے کی میز پر آیا۔ ناشتے کے دوران وہ اخبار بھی دیکھتا رہا۔ اچانک اسے خواہش کار پر ریٹرن (ان میٹن) کا وہ اشتہار نظر آیا۔



شہر کے ایک اور بنگلے میں صوفیہ ہارون نے بھی ناشتے کی میز پر وہ اشتہار دیکھا اور خوش ہو گئی۔ اسے یقین تو نہیں تھا کہ یہ اشتہار اس کا مسئلہ حل کر سکے گا لیکن بچہ سی کے گھٹا لوپ اندھیرے میں وہ اشتہار امید کی پہلی کرن تھی۔ اس نے سوچا اپنا جان کیا ہے معاوضہ تو وہ کام کے بعد ہی میں گئے۔ صوفیہ کی عمر میں سال تھی اور وہ دنیا میں اکیلی تھی۔ اکیلی اور کمزوروں کی جائداد اور کاروبار کی مالک۔ ہپ کے انتقال کے بعد اس نے کاروبار کو نہ صرف بڑی کامیابی سے سنبھالا تھا بلکہ بڑھا بھی دیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ کاروبار اس کا میدان تھا۔ ایم بی اے کے امتحان میں اس نے پہلی پوزیشن لی تھی۔

کہتے ہیں کہ کاروباری لوگوں کے سینے میں دن سیں ہوتی ہیں۔ صوفیہ کا اپنے بارے میں یہی خیال تھا۔ وہ بہت حسین تھی لیکن ماہر تعلیم ہی میں لڑکوں نے اسے برف کی صورت قرار دے دیا تھا۔ یونیورسٹی میں اور اس کے بعد بھی بے شمار مرد اس پر ملتفت ہوئے لیکن اس نے کسی کو گھاس نہیں ڈالا۔

لیکن دفتر میں پہلے ہی دن اس کا دل سے دور سے دھڑکا کہ اسے یقین ہو گیا؟ دھڑکن کی آواز ابھی لوگوں نے سن لی ہے۔ اسے احساس ہوا کہ برف کی صورت میں حرارت دوڑ گئی ہے اور اب وہ پگھل کر رہ جائے گی لیکن ساتھ ہی وہ لذت بھی عجیب تھی۔ اس سے وہ پہلے کبھی آشنا نہیں ہوئی تھی۔

شہد حسین اس کے والد کے دفتر میں چیف اکاؤنٹنٹ تھا۔ اس کی عمر 35 کے قریب تھی۔ دیکھنے میں وہ عام سا مرد تھا مگر اس میں کوئی خاص بات تھی جس نے صوفیہ

کے دل کو چھو لیا تھا۔

بیانے صوفیہ کو بتایا تھا کہ شہد دس سال سے ان کے پاس ہے۔ وہ اس سے بہت متاثر تھے۔ وہ دیانت دار اور مستعد تھا۔ کھنتی بھی تھا۔ کام کے معاملے میں وہ دفتر کے ہر وقت ہر تک بھر دیتا تھا۔ بغیر کسی غرض کے وہ دیر تک کام کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کیشیئر کی حیثیت سے کام شروع کرنے کے بعد وہ صرف دس سال میں چیف اکاؤنٹنٹ کے عہدے تک پہنچا۔

ہارون صاحب نے اسے کہنی کا قیمتی اثاثہ قرار دیا تھا اور ان کی موت کے بعد صوفیہ نے کچھ لیا کہ وہ ٹھیک کہتے تھے لیکن وہ اس کو کیا کرتی کہ تھوڑے ہی عرصے میں شہد اس کے دل کا بھی سب سے قیمتی اثاثہ بن بیٹھا تھا۔

لیکن شہد نے بھی صوفیہ میں دلچسپی نہیں لی۔ وہ صوفیہ سے صرف کاروباری گفتگو کرتا تھا۔ صوفیہ خود بھی پیشہ سے خود کو لئے دے رکھنے کی عادی تھی۔ مگر یہاں معاوضہ مختلف تھا۔ شہد پہلا مرد تھا جس نے اس کے ساتھ انفرادیت نہیں برتا تھا۔ اس کے نزدیک جیسے وہ کوئی عورت ہی نہیں تھی۔

برف کی صورت تو اپنی ہیئت مل گیا۔ صوفیہ نے سوچا۔

طلب خلق سے گزرنے لگی تو صوفیہ ہی کو پیش قدمی کرنا پڑی۔ اس روز اسے معلوم تھا کہ کام بہت زیادہ ہے اور شہد دفتر میں دیر تک رہے گا۔ وہ گھر سے دفتر کے لئے پورا اہتمام کر کے چلی۔ عام طور پر وہ ایسے عہدسات نہیں پہنتی تھی۔ کبھی ضرورت ہی میں پڑی تھی اس کی لیکن یہاں تو پتھر کو جوتے لگانے کی کوشش کرنا تھی۔ پورے دن لوگوں کی نظروں سے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ سرپا قیامت ہو رہی ہے۔ بے حد احترام کرنے والے لوگ بھی اسے اور نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پورے دن اس نے یہ اہتمام بھی کیا کہ شہد کا سامنا نہیں کیا۔ شہد کسی کام کے سلیطے میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر اس سے اپنی بیکری بچا کر کھلا دیا کہ وہ شام کو آخر وقت میں آئے۔ وہ بہت مصروف ہے۔

شام کو چٹنی کے وقت اس نے شہد کو طلب کر لیا۔ اس سے پہلے وہ چوری طرح فریش ہو کر بیٹھی تھی "آئیے شہد صاحب۔" وہ بے حد ہچاک سے مسکرائی "تشریف رکھیے۔"

وہ مودب ہو کر بیٹھ گیا۔

"سب سے پہلے تو معذرت کہ میں پہلے آپ کو وقت نہ دے سکی۔" صوفیہ نے لگاوت بھرے لہجے میں کہا "دراصل کئی دن سے ایک نئے پروجیکٹ کی پلاننگ میں مصروف تھی۔ آج ارادہ ہے کہ فائنل کر لوں اسے۔"

"کوئی بات نہیں مس ہارون۔ میرا کام ویسے بھی جلدوں کا نہیں تھا۔"

"شہد..... کیا آپ کو میرا نام معلوم نہیں؟" صوفیہ نے خیسے لہجے میں پوچھا۔

شہد گڑبڑا گیا "جی..... معلوم ہے مس....."

"بس تو آپ مجھے صوفیہ کہہ دیجئے۔ صوفیہ نے کہا پھر اس نے شہد کو کچھ کہنے کا موقع دینے سے بچے کے لئے بہت آگے بڑھائی "پاپا آپ کی بہت قدر کرتے تھے اور اس حوالے سے آپ میرے لئے بہت محترم ہیں۔ والی اوصاف کی بنیاد پر بھی میں آپ کو بہت بہتر سمجھتی ہوں۔"

"جی تو آپ کی محبت ہے لیکن....."

"بس یہ طے ہو گیا کہ آپ اب مجھے مس ہارون نہیں 'صوفیہ' کہہ کر خطاب کریں گے۔" صوفیہ نے حتمی لہجے میں کہا "میں اب کام کے متعلق باتیں ہو جائیں۔"

"کام دی اکم ٹیکس کا تھا مس....." شہد کہتے کہتے رک گیا "..... صوفیہ۔"

آپ کو یہ لائق اخراجات کے گوشوارے دکھانا تھے۔"

صوفیہ اس کے لئے ہوئے گوشوارے چیک کرتی رہی۔ اس نے کچھ ٹرایم بھی کرائیں۔ شہد رخصت ہونے لگا تو اس نے عقب سے اسے پکارا "شہد صاحب سنئے۔ ایک معاملے میں آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔"

شہد نے پٹ کر حیرت سے اسے دیکھا "جی فرمائیے۔"

"آج میں یہاں سے کام ختم کر رہی ہوں گی۔ تو توجہ ہی جانیں گے فارغ ہوتے ہوئے۔ میرے چڑاسی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ اپنے چڑاسی کی خدمات مجھے مسترد دے سکتے ہیں؟"

"افسوس سے مجھے بھی کام کے لئے رکنا ہے۔" شہد نے مسکراتے ہوئے کہا "اسی لئے تو میں نے دن میں آپ سے ملنے کے لئے اصرار نہیں کیا۔ میں اسے....."

"بس تو ٹھیک ہے۔ آپ جب بھی اسے جانے یا کالنی کے لئے کہیں، مجھے بھی یاد رکھیے گا۔ کھانا بیچے گا میں گے آپ یہیں آجائے گا۔"

"جی بہت بہتر۔"

صوفیہ نے نو بجے تک کا وقت ایک ایک پل گس کر گزارا۔ وہ کسی نین ابھری طرح بے تاب اور قرار ختم ہو چکی تھی، جو پہلی بار کسی کی محبت میں گرفتار ہوئی ہو۔ اس دوران چڑاسی تین بار اسے کال دے گیا۔

پہلے وہ بیچہ وہ داش روم میں گئی اور میک اپ تیار کر کے اپنی کرسی پر آ بیٹھی۔ تمام فائلیں اس نے سیٹ کر ایک طرف رکھ دیں۔ نو بجے شہد اس کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ کرسی سے ٹپک لگائے بیٹھی تھی اور بے حد حائل ہوئی نظر آ رہی تھی۔ یہ آڑ حتمی تھا۔ نو بجے کے خیریل انتظار نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔

چڑاسی کھانا لے آیا۔ ان دونوں نے ساتھ کھانا کھیا۔ کھانے کے بعد چڑاسی برتن میٹھے آیا تو صوفیہ نے اسے کالنی کا کہہ دیا "شہد" آپ یہاں بے تکلفی سے سگریٹ پی سکتے ہیں۔" وہ شہد سے خطاب ہوئی۔

شہد نے شکر یہ کہہ کر سگریٹ نکالیا۔

اب جو کچھ ہوئے دلا تھا۔ وہ صوفیہ کے لئے خلاف مزاج ہونے کے باعث بہت مشکل تھا لیکن محبت کی شدت سے اسے آسان بنا دیا تھا "ایک ذاتی بات پوچھوں آپ سے؟" اس نے کہا اور پھر یہ توقف ہوئی "آپ کا اتنی دیر تک دفتر میں رکنا آپ کی دافن کو تو برا لگتا ہو گا؟"

"جی نہیں۔" شہد نے بے ساختہ کہا "اس لئے کہ ابھی میری شادی نہیں ہوئی ہے۔"

صوفیہ یوں آگے کو بھگی کہ جیسے بدلیوں کی اوٹ سے چاند طلوع ہو۔ اس لئے اس انداز سے وہ کسی بھی مرد کے دل کی دیا کو ریوڑ کر گئی تھی۔ اسے ایک لمحے کو شہد کے چہرے پر قہقہہ ہنس ہونے پھر شہد کی نظروں جھک گئیں "ابھی تک شادی نہیں کی آپ نے۔ کیوں؟"

"اس لئے کہ جس لڑکی سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں اس پر گہری 'بہن بھائیوں کی دسے دریاں ہیں۔ انہیں پورا کئے بغیر وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتی۔" شہد نے سادگی سے کہا "اور میں محبت کی وجہ سے اس کا انتظار کرنے پر مجبور ہوں۔"

صوفیہ کو لگا کہ اس کے چلتے بول پر کسی نے ریختہ پانی کی پانی اٹھیل دی ہے۔ وہ مجھ کر رہ گئی۔

وہ تذیل بہت بڑی تھی لیکن صوفیہ کو شہد پر غصہ نہیں آیا۔ اس نے خود اپنی تذیل کی تھی۔ یہ یاد کہ اس رات اس نے شہد سے کیسی گفتگو کی اور اسے بھائے کی کیسے گھٹیا انداز میں کوشش کی اس کے لیے سوہن روح تھی۔ وہ ان لمحوں کو بھوس جانا چاہتی تھی۔ بھونٹا تو وہ شہد کو بھی چاہتی تھی مگر وہوں باتیں ہی اس کے اختیار میں نہیں تھیں۔ ہاں وہ شہد کو دلا رمت سے نکل سکتی تھی لیکن وہ نہیں مانتا تھا۔ پھر وہ کاروباری اعتبار سے بھی سراسر خسارے کا سودا تھا اور شہد تو ویسے بھی بڑا آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کے حسن اور دوست کی ترمیم کے باوجود وہ اپنی محبت پر قائم رہا تھا۔

اس دن کے بعد سے صوفیہ پہلے جیسی نہیں رہی۔ اپنے ہلکے ہو جانے کے احساس پر مستزاد یہ حقیقت تھی کہ اس کا دل شہد کی محبت سے دستبردار نہیں ہوا تھا لیکن اب وہ اس پوچے کے بے کچھ رہی نہیں تھی جو کچھ وہ پہلے کر چکی تھی اسی کا حیل تو ہیں آہو تھا۔

ایسے میں خواہش کارپوریشن ڈائن لینڈ کا وہ اشتہار اسے ایک نعمت غیر متوقعی

لگا۔

☆—————○—————☆

شر میں صوفیہ ہی کے طبقے کا ایک شخص بالکل اسی طرح کے مسئلے سے دوچار تھا۔ محمود دلاوی دولت مند تھا، خیر و تھا۔ اس کی شخصیت پر کشش تھی۔ وہ دین تھا۔ جانتا تھا کہ جسم تک پہنچنے کا راستہ دل سے ہو کر گزرتا ہے اور وہ جیتنے کا ہنر اسے خوب آتا تھا۔ صنف نازک کی قربت کا حصول اس کے لئے کبھی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ ایک نازک تھا کہ وہ بیکری کادوں کی طرح بدلتا تھا مگر پھر عالیہ بیکری بن کر اس کی زندگی میں آئی اور اس کا حصول اس کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا۔

محمود دلاوی نے کسی لڑکی کے حصول کے لئے دھولس دھڑلے اور بلیک میلنگ کا سارا بھی نہیں کیا تھا۔ نہ ہی اس نے کبھی کسی کے ساتھ ریمسٹی کی تھی۔ بلکہ بظاہر تو اس نے کبھی کسی کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھایا تھا۔ کسی کی خواہش بھی نہیں کی تھی۔ لڑکیوں خود ہی بچے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آگرتی تھیں۔

لیکن عالیہ مختلف لڑکی ثابت ہوئی۔ محمود نے اس پر وہ تمام حربے آزمائے جو ماضی میں مختلف بیکریوں پر آزمائے رہا تھا پھر اس نے کئی بے حسبے آزمائے لیکن عالیہ اس سے حس نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ محمود اپنی بے پاری کا نقاب اتار کر اپنی مردانہ رجائیت اور محض کشش کو داؤ پر لگانے پر مجبور ہو گیا مگر بات پھر بھی نہیں بنی۔

محمود کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ جو ہمیشہ کا فاتح تھا۔ اب مفتوح ہو گیا ہے اور مفتوح بھی ایسا کہ فاتح اسے قبول کرے پر تیار نہیں۔ اب اس نے سنجیدگی سے اپنی ناکامی کے اسباب پر غور کرنا شروع کیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس میں آخر کی کیا ہے۔ ایک ہی بات سمجھ میں آتی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ عالیہ ضرور کسی اور سے محبت کرتی ہے۔

اس نے باوجود اس کا دل عالیہ سے دستبردار نہیں ہوا۔ جانے کیسے اسے یقین تھا کہ وہ "آخر کار عالیہ کو جیت لے گا۔ وہ بہت دھمچھے انسان کی طرح اس کے ساتھ رہی

علیہ نے اشتہار پڑھا اور بے ساختہ ہنسے لگی "یہ اشتہار ہم جیسے غریب لوگوں کے لئے نہیں ہے۔" اس نے گفتگو سے کہا "اور ویسے بھی مجھے حاصل کرنے کے لئے تمہیں کسی حدود سے روکیے کی ضرورت نہیں۔ تم خود سب سے بڑے جہود گر ہو۔" شاید بھی بے ساختہ ہنس دیا۔ انہوں کی اور اندر کی کشیدگی ایک پل میں دور ہو گئی۔

☆—————☆

نذر چوہدری شاید اس وقت روس کے مسکالووس ترین آدمی تھا۔ اس کی عمر بھر کی کمائی جو یقین تھا وہ باطل ہو چکا تھا۔ اسے کبھی اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ دولت سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ اس لئے ساری زندگی وہ دولت کمانے کی مشین بنا رہا۔ اب بھی صورت حال یہ تھی کہ اپنے طالع پر دولت پالی کی طرح ملنے کے باوجود اس کے پاس دوست کی کمی نہیں ہوئی تھی لیکن اپنی بے حساب دوست کے بدلے وہ صحت اور زندگی نہیں خرچہ کر سکتا تھا۔

تین سال پہلے وہ بیمار ہوا۔ کئی ہسپتال کی طبی تفتیش کے بعد ڈاکٹروں نے تشخیص کیا کہ اسے عکس کا سرطان ہے۔ دوست کی کمی۔ تھی چنانچہ وہ علاج کے لئے امریکہ چلا گیا۔ ایک ہفتہ پہلے وہ وطن واپس آیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ ہی سکنا ہے لیکن ان تین مہینوں کی بھی ضمانت میں دیا جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تین ماہ کے اندر وہ کسی بھی وقت مر سکتا ہے۔

زندگی سے محبت ہر انسان کو ہوتی ہے۔ ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو موت کو ایسی فحش ایک اخلاقی حقیقت اور اللہ کے علم کے طور پر نہیں مانتے لیکن نذر چوہدری نے تو زندگی بھر اپنے اور زندگی کے سوا کسی سے محبت نہیں کی تھی۔ زندگی سے اسے ایسا عشق تھا کہ اگر اس نے اللہ سے ایسا خلق کیا ہوتا تو اسے ولایت ضرور مل جاتی۔ وہ زندگی سے چپے رہنا چاہتا تھا۔ جبکہ زندگی اسے موت کی طرف دھکیل رہی تھی۔ ایسے میں آدمی مایوس نہ ہو تو کیا ہو۔

اس وقت وہ تکیے لگائے اپنے بستر پر ہم دراز موت کے بارے میں سوچے جا رہا

تھا۔ زندگی سے عشق کے باوجود اب وہ زندگی کے بارے میں سوچ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بیماری تھی ہی ایسی اذیت ناک۔ جس وقت وہ تکلیف میں مبتلا ہوتا تو اسے زندگی سے نفرت ہونے لگتی۔ اس نفرت کا رد عمل یہ ہوتا کہ وہ موت کے بارے میں سوچنے لگتا جس سے وہ لانا اور جس پر فتح باب ہونا چاہتا تھا۔ جس سے وہ خوف زدہ تھا۔

اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ موت سے پہلے اتنی اذیت ہو رہی ہے تو خود موت کتنی اذیت ناک اور کتنی خوف ناک ہوگی۔ اس خیال سے اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ڈاکٹر اسے سمجھاتے رہے تھے کہ موت ایک فطری چیز ہے اور انسان کو ہر دکہ ہر تکلیف سے نجات دلائی ہے۔ اس نے ایک مولوی صاحب کو دعا کے لئے بلوایا تھا۔ انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ موت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ کوئی بد بخت اس رحمت سے محروم ہو جائے تو اس کی زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔ اس پر وہ مولوی صاحب پر برس پڑا تھا "میں نے حمیس صحت اور زندگی کی دعا کے لئے بلوایا ہے مولانا۔ مجھے تو لگتا ہے تم موت کی دعا کر رہے ہو۔"

"تم نا سمجھ ہو۔ موت کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ مارشل نیو کا مشر نہیں دیکھا۔ اس کے بے خواہ اس کی موت کی دعائیں کر رہے تھے۔ لیکن اللہ نے نظر بھین تھی۔ مگر وہ بڑا رحم والا ہے۔ مگروں کو بھی مایوس نہیں کرتا۔ آخر کار اس نے نیو پر بھی رحم فرما دیا۔"

"مجھے ایسا رحم میں چاہئے۔" وہ خلق کے بل دہڑا "پچھلے چار مہینے سے۔"

مولوی صاحب اسے نرم آمیز لگاؤ سے دیکھتے 'مندی منہ میں کچھ بددلتے چلے گئے تھے۔

آن وہ پہلی بار سوچ رہا تھا کہ کیا مولوی صاحب نے ٹھیک کہا تھا۔ موت واقعی اللہ کی رحمت ہے۔ موت نجات ہے؟ ہر اذیت ہر پریشانی سے بھٹکارے کا نام ہے۔ جس نے اسے چھوٹا دیا۔ اس نے سرگرم کر خوب صورت زس کو دیکھا۔ وہ ہاتھ میں خبر لئے کھڑی تھی "کیا بات ہے؟" اس نے ناگواری سے پوچھا۔

"مگر..... ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"بھوسا کی سی بہت مست کرو نیو فر۔" انسان کے لیے میں ترش آگئی "تم جانتی ہو کہ یہ ناممکن ہے۔ ہماری شاوی کو پچیس سال ہو چکے ہیں۔ ہم دنوں کا عمل میڈیکل چیک اپ ہو چکا ہے۔ خرابی ایک طرف نہیں، دوسری طرف ہے۔ تم آس نہیں چھوڑتیں۔ خواہ کواہ اپنی اذیت بڑھاتی ہو۔ یہ اشتہار جتنا کسی فروغ دیتی ہے۔ ذرا سوچو کوئی یوں کس کی خواہش پوری کر سکتا ہے 'ایب جوئے' لگے تو دنیا کے سب مسائل حل ہو جائیں۔"

"انسان کچھ نہیں کر سکتا اور اللہ کے اختیار سے کچھ باہر نہیں۔" یلو فر کی آواز بھرا گئی "تم کچھ بھی کہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس خواہش کا رپوریشن سے بہت کرو۔"

"میں کہہ رہا ہوں یہ فراز ہے 'فون نمبر تو دیکھو۔ ذیل چار سو ہیں۔ یہی ذیل فراز۔"

"خیر وہ فراز بھی ہوئے تو ہمارا لیا بکڑے گا۔ اسوں نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ خواہش پوری ہونے کے بعد میں گئے۔"

"تم سب جانتیں۔" انسان نے سرد آہ بھر کر کہا "یہ بھی صرف پھندے کی بات ہے 'ایسے لوگ بڑے ترکیب باز ہوتے ہیں۔"

"تم ان سے راہبرد کرو۔ اگر انہوں نے پہلے کچھ مانگا تو انکار کر دیتا۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" نیو فر نے اس کی بہت کٹ دی۔

"تم خود بہت کیوں نہیں کرتیں ان سے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ مجھے شرم نہیں آئے گی ایسا کرتے۔"

"اچھا نیو فر میں بات کر لوں گا۔"

☆—————○—————☆

شہباز علی ایک ایسا جوان تھا جس میں بے شمار صلاحیتیں تھیں لیکن وہ انہیں استعمال نہیں کرتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ بہت پہلے والا آدمی تھا۔ قیامت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ اس کی خواہشات کی کوئی حد نہیں تھی۔ اسی لئے وہ کبھی تک کام نہیں کرتا تھا۔ ذرا سا کچھ ملنے کا آسرا ہوتا تو وہ پیلانا شروع کر دیتا۔ اس کا عالم یہ تھا کہ

صلی بیٹہ ہوتا تو بھی صرف ایک وقت بیٹہ بھرنے کی خواہش نہیں کرتا لاکھوں کی آرزو ہوتی تھی اسے۔

اس سے یہ سمجھ کر تھا کہ دنیا میں کامیابی کے لئے دولت بہت ضروری ہے۔ اسے نہیں تھا کہ اسے دولت میرا آجائے تو وہ اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر دیا کا کامیاب ترین انسان بن سکتا ہے۔ دشواری یہ تھی کہ اسے سب کچھ آتا تھا مگر دولت حاصل کرنے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔

شہباز نے وہ اشتہار دیکھ تو سمجھ لیا کہ اس کے من کی مراد مل گئی ہے۔

☆—————○—————☆

دین اختر نے اپنے دفتر کا سیٹ اپ مکمل کرنے کے بعد اشتہار شائع کرایا تھا۔ اشتہار اس نے عام اشتہارات کے کالم میں شائع کرایا تھا۔ یوں تو وہ ملک کے ہر دروازے میں پہلے پہلے پر بے حد نمایاں اور بڑا اشتہار بھی چھپا سکتا تھا لیکن یہ مناسب نہیں تھا۔ نمایاں ہونے میں بڑی خرابیاں تھیں۔ وہ بڑی ایجنسیوں اور حکومت کے بڑے لوگوں کی نظروں میں نہیں آتا چاہتا تھا۔ خواہ کواہ درد سہی بڑھانے سے کیا فائدہ۔ ہاں یہ تھا کہ اس کا وہ عام سا اشتہار ایک پہلے تک ملک کے تمام روزناموں میں شائع ہوا تھا۔

شری ایک خوب صورت ہڈنگ میں اس نے دو کمرے کرائے پر لئے تھے اور انہیں بہت اچھی طرح آراستہ کیا تھا۔ اس کے بعد وہ انسان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے لئے بھی اس نے اجاروں میں اشتہار دیئے۔ خوش قسمتی سے اسے بغیر کسی دشواری کے مطلب کے آدمی مل گئے۔

اس کے سیٹ اپ میں تقابلی ایجنسی کی بڑی اہمیت تھی۔ اس کے لئے اس نے سابق فوجی اور پولیس آفیسر کی خدمات حاصل کی تھیں۔ سیکرٹری کا انتخاب بہت دشوار ثابت ہوا۔ کتنی ہی لڑکیوں کو اس نے واپس کر دیا۔ ابتدائی تین دن صرف مسترد ہونے والی لڑکیوں ہی کے لئے نہیں، خود اس کے لئے بھی باہر سے کن تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے سیکرٹری کے لئے اہلیت کا کوئی مسئلہ نہیں تھا پھر بھی وہ

ایسا بڑا مسئلہ بن گیا تھا۔

چوتھے دن ایک ایسی لڑکی اندر دے کے لئے آئی جو پہلی نظر میں اسے بھانگی۔ اس نے اندر دے میں روہینہ سے اس کے متعلق سب کچھ معلوم کیا اور پھر اسے منتخب کر لیا۔ "مس روہینہ! اتنی اعلیٰ میں آپ کو نہیں ہر بار بخواتین دوں گا۔ آپ کو صبح نو بجے سے شام سات بجے تک کام کرنا ہوگا۔ آپ کا اصل کام ٹیلی فون اینڈ کرنا اور ملا جلتوں کا وقت دینا اور مجھے اس سے باہر رکھنا ہوگا۔ اس سلسلے میں میں آپ کو تفصیلی ہدایات کل دوں گا اور ہاں ایک سال بعد آپ کو خصوصی پولس ملے گا۔ آپ کوئی سی بھی دو خواہشیں چاہی کر سکیں گی۔"

"ہی۔۔۔ دو خواہشیں۔" روہینہ سے حیرت سے "میں کبھی نہیں!"

"وہ وقت آئے گا تو جو دو خواہشیں بھی آپ کریں گی وہ پوری ہوں گی۔"

روہینہ کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ بات ہی بعد میں سمجھ میں آئے والی تھی۔

لیکن دہین اختر دیر تک اس بھن میں رہا کہ سیکرٹری کا انتخاب اس کے لئے ایسا بڑا مسئلہ کیوں بن گیا اور یہ روہینہ اسے ایک نظر میں کیوں پسند آگئی؟ کیا وہ کوئی خاص لڑکی تھی؟ اس میں کوئی خاص بات تھی؟ وہ روہینہ کو بغور دیکھتا رہا۔ "خراکار بات اچانک ہی اس کی سمجھ میں آگئی۔ بات سمجھ میں آئی تو اسے زبردست شاک لگا۔ یہ لڑکی روہینہ صورت شکل اور جسم کے اعتبار سے عاتقہ سے مطابہ تھی۔

عاتقہ عاتقہ اس کے ذہن میں آمد حیاں سی چلتی لگیں۔ دس دن ہو گئے تھے اور اسے ایک بار بھی عاتقہ کا حیاں نہیں آتا تھا لیکن وہ اسے بھولا نہیں تھا۔ وہ اس کے دماغ کے کسی تاریک گوشے میں دھب کر بیٹھ گئی تھی لیکن کیوں؟

وہ عاتقہ کے بارے سوچتا رہا۔ وہ صرف مستقبل کی فکر کرنے والا خود عرض انسان۔ کیا سے عاتقہ سے محبت تھی؟ کیا وہ محبت کی اہلیت رکھتا تھا؟ یا یہ عاتقہ کے احساسات کی وجہ سے تھا؟ عاتقہ نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا تھا۔ اس کی مدد کی تھی۔

لیکن نہیں بات صرف احساس کی ہیں تھی لاشعور یوں کسی کو وہ صرف میں تلاش

نہیں کرتا۔ ایسا صرف محبت میں ہوتا ہے۔

محبت! عاتقہ سے محبت! مگر عاتقہ تو اس سے ۱۵ توڑ کو سہانے مستقبل کے لئے اپنے بڑے پاس کی ہو گئی تھی۔ دہین اختر کو عاتقہ کی وہ آخری بے رخی یاد تھی لیکن دہین اختر اسے قصور وار نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ عاتقہ کی جگہ وہ ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مستقبل نہیں تھا اور دونوں ہی کو درخش مستقبل کی آرزو تھی۔ سو عاتقہ کا فیصلہ درست تھا۔ کاش یہ فیصلہ صرف چند روز کے لئے مؤثر ہو جاتا۔ موجودہ صورت حال میں عاتقہ کو پاس سے شادی کر کے کی ضرورت نہیں تھی۔

تو اب بھی کیا بگڑا ہے؟ اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرا۔ عاتقہ شادی کر چکی ہوگی۔ اندر سے کسی نے جواب دیا۔ اس شادی کی "فرض کے اس رشتے کیا اہمیت ہے؟ اس نے سوچا۔ اب تو اس کے اختیار میں سب کچھ ہے وہ صرف خواہش کرے تو۔۔۔۔۔

ایک لمحے کو ایسا لگا کہ وہ یہ خواہش کر گزرے گا لیکن پھر فوراً اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ جیسے اس نے طے کیا تھا کہ وہ کبھی دولت کی خواہش نہیں کرے گا ویسے ہی اس سے اس نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ وہ زندگی کی سچی خوشیاں اس طریقے سے حاصل نہیں کرے گا۔ یہ معاملہ وہ قسمت پر چھوڑ دے گا۔ عاتقہ کو اس سے محبت ہوگی تو وہ تمام زنجیروں توڑ کر خود اس کے پاس آئے گی۔ وہ زبردستی خوشیاں حاصل نہیں کرے گا۔

یہ فیصلہ کر کے وہ مطمئن ہو گیا۔



"میں آپ کے ہاں کام کروں گی سر۔"

"تو خوش بھی رہو گی۔ کام اچھا کرو گی تو تنخواہ بھی بڑھے گی اور ایک سال تک گئیں تو وہ پونے نو سو روپے کی کوئی رقم بھی نہیں دے سکتی۔"

"آپ بے فکر رہیں سر۔"

روینہ کو علم تھا کہ اشتیاد کب شائع ہو گا۔ اشتیاد کی اشاعت کے ساتھ ہی اس نے کار کا انتظار شروع کر دیا۔ اس کا کام شروع ہونے والا تھا۔

پہلے روز چھ بجے تک کوئی فون نہیں آیا۔ روینہ بائوس ہونے لگی۔ شاید اشتیاد پڑھنے والے بھی اس سے متعلق تھے۔ انیس کارپوریشن کوئی بہت بڑا فراڈ تھی لیکن پانچ سات بجے فون کی گھنٹی بجی۔

روینہ کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ پہلے کل ریسیو کرنے والی تھی۔ تیسری گھنٹی پر اس نے ریسیور اٹھایا "خواہش کارپوریشن" اس نے دہن کی بداعت کے مطابق کہا۔ "آپ کا اشتیاد نظر سے گزرا۔" دوسری طرف سے کہا گیا "میں آپ کی پیشکش سے اختلاف کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ اپنا کام بتائیں پلیز۔"

"میرا نام شہباز علی ہے۔"

روینہ نے ریسیور کندھے سے دبا کر کان سے چپکایا اور قلم اور پیڑ سنجالا "ہی شہباز صاحب" آپ اپنی خواہش کے متعلق بتائیں گے؟

"ہی آپ خواہش پوری کریں کی میری؟" بچے میں شرارت تھی۔

"ہی نہیں۔" روینہ نے خشک لبے میں کہا "لیکن آپ کو اصل آدمی سے ملاقات کے لئے کو ایصال کرنا ہو گا۔ اس کا فیصلہ میں کروں گی۔"

"میں اپنی خواہش اصل آدمی کے سامنے ہی پیش کروں گا۔"

"سواری یہ ممکن نہیں۔"

دوسری طرف شہباز چند لمحوں پہنچ گیا۔ پھر اس نے کہا "میری خواہش وہی ہے جو

روینہ بہت چاری لڑکی تھی۔ وہ چہرے اور جسم کے حال و حال کے اعتبار سے ماحظ سے مشابہ ضرور تھی لیکن باطنی اعتبار سے وہ ماحظ کی ضد تھی۔ اس کی فطرت میں دردمندی تھی۔ حساس اور جذباتی تھی دوسروں کی پروا کرتی تھی۔

اس کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن وقت کے ایک ٹکے نے اسے اپنی عمر سے بڑا بنا دیا تھا۔ صرف ایک ماہ پہلے اسے تعلیم کے سوانحی فکر نہیں تھی۔ اس کا باپ ایک ٹیکنالوجی میں کام کرتا تھا۔ ماں ایک عام سی گھریلو عورت تھی۔ وہ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس لئے ماں باپ بہن سے تھے۔ انیس صرف اس کی شادی کی فکر تھی۔ باپ کی تنخواہ زیادہ نہ تھی 'لیکن' اس کی شادی کے لئے ابتدا سے کچھ رقمیں انداز کی جاتی رہی تھی لیکن ایک ایک ماہ پہلے ایک مشینی حادثے کے نتیجے میں اس کا باپ معذور ہو گیا۔ اس کا دھنا ہاتھ اور دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ یوں روینہ کو کلن چھوڑ کر فکر معاش کے لئے نکال دیا۔

یہ طار مت اسے بہت عجیب لگی۔ اس کے تصورات اور سننے سنائے قصوں سے بالکل مختلف۔ ذہین خزانے سے کام کی نوعیت بتائی اور اسے تفصیلی ہدایت دیں تو وہ اس کے سوا کچھ نہ سوچ سکی کہ ذہین خزانہ بہت بڑا فراڈ ہے۔ وہیں اختر نے اس کے چہرے سے اس کی چٹکاپاٹ بھانپ لی "نہیں مس روینہ" دو تم سوچ رہی ہو درست نہیں ہے۔ "ہم دو گوں کا کام ہو جائے کے بعد ہی معلومہ قبول کریں گے۔ مجھے اللہ نے ایک خاص تحفہ بخشا ہے۔ فی الحال میں اس سے زیادہ وضاحت نہیں کروں گا۔ اب یہ فیصلہ تم کرو کہ کام کرنا چاہتی ہو یا نہیں۔"

پوری دنیا کی ہے۔ میں دولت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"سوری شہباز صاحب۔ چند خواہشیں ایسی ہیں جو ہم پوری نہیں کریں گے۔ ان میں دولت اور موت شامل ہیں۔"

لائن پر خاموشی چھا گئی۔ شاید فون کرنے والے کو اس جواب کی امید نہیں تھی۔ آخر کار اس نے کہا "یہ وصاحت آپ کو اشتہار میں کتنی چاہیے تھی۔"

"یہ فیصلہ صل آدمی کا ہے شہباز صاحب۔" روبینہ نے نرم لہجے میں کہا "ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکے۔ خیر پھر بھی سہی۔ لیکن اگلی بار یہ خیال رکھیے گا۔"

اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے ذہین اختر نے طمانیت بھری سانس لی اور اسٹائل فون کا ریسیور کھینچ کر رکھ دیا۔ چند لمبے بعد روبینہ پینہ ہاتھ میں لئے کمرے میں آئی تو اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "میں سن چکا ہوں بے بی۔ شہباز۔ تم نے اسے بہت اچھی طرح مشغول کیا۔" اس سے گھڑی میں وقت دیکھا "بہت بچ رہے ہیں۔ اب تم چھٹی کر جاؤ۔ کل دیکھیں گے۔ ہاں مایوس نہ ہو نا۔ تمہاری تحفہ کی ادائیگی کلاشس کی آمد سے مشروط نہیں ہے۔ خدا حافظ۔"



شہباز علی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے بہت جلد بازی سے کام لیا ہے۔ اسے پہلے ہی خوب اچھی طرح سوچ لینا چاہئے تھا۔ اگر خواہش پوری کرنے والا اسے ایک کروڑ روپے دلا سکتا ہے تو اسے اتنا کھڑاگ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنے لئے دس ارب روپے طلب کر سکتا ہے۔

خیر۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔ اسے صرف ایسی ایک خواہش تلاش کرنی تھی جو دولت سے متعلق نہ ہو لیکن اس کے چورے ہونے کے بعد وہ ملامت ہو جائے۔ وہ ہار ماننے والا آدمی نہیں تھا۔



اگلے روز فون کالز کا آلتا بندھ گیا۔ روبینہ کے پاس فرصت ہم کی کوئی چیز نہیں رہی۔ زیادہ تر کالز دولت کے متعلق ہی تھیں لیکن اچھی خاصی کالز کام کی بھی تھیں۔ اس نے ان کے کوائف پیز پر نوٹ کئے اور چڑا سی دین محمد کے ہاتھوں ذہین اختر کے پاس بھجوا دیے۔

ذہین اختر نے ان کا جائزہ لیا۔ ان میں دو کیس ایسے تھے جو فوری طور پر ہینڈل کئے جانے چاہئے۔ باقی کوائف اس نے اپنی تفتیشی ایجنسی میں کر لی اور کو بھجوا دیے۔ وہ خوش تھا کہ کام اس کی توقع سے پہلے ہی شروع ہو گیا ہے۔ اس نے دین محمد کو بلایا اور روبینہ کو نوٹ بھجوا دیا کہ وہ فون پر نذیر چوہدری سے اس کی بات کرانے اور سینئر احسان علی کو فون پر بتانے کہ انہیں اگلے روز دس بجے اس سے ملنا ہے۔

پانچ منٹ بعد وہ فون پر نذیر چوہدری سے بات کر رہا تھا "تو آپ مرنا نہیں چاہتے؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی ایسا ہے دنیا میں جو مرنا چاہتا ہو۔" نذیر چوہدری نے چڑچڑے پن سے کہا۔ "دیکھیے، آپ میرے کلائنٹ ضرور ہیں لیکن میری کپڑے کی دکان نہیں۔ نہ ہی میں کچھ بیچ رہا ہوں۔" ذہین اختر نے خشک لہجے میں کہا "آپ کو مدد کی ضرورت ہے اور میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں لیکن آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔"

"سوری جی" نذیر چوہدری کا بوجھ نرم ہو گیا "تمہاری ناراضی بھالیکن ایک مرنا ہوا آدمی چڑچڑے پن کے سوا کیا کر سکتا ہے۔ ہاں میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"آپ انشاء اللہ زندہ رہیں گے۔" ذہین اختر نے کہا "اب معاملے کی بات ہو جائے۔"

"معاذ اللہ میں مرنا مانگوں گا لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ....."

"ڈاکٹروں نے آپ کو زیادہ سے زیادہ تین ماہ دیے ہیں ان میں سے تین ہفتے گزر چکے ہیں گوکہ آپ ڈھلے ماہ اور جی لئے تو اس کا مطلب ہو گا کہ آپ کی خواہش پوری ہو گئی۔"

"لیکن اس کے بعد۔۔۔۔۔"

دیں اختر نے پھر اس کی بات کٹ دی "اس کا منصفانہ حل ہے میرے پاس۔
 ڈھائی لاکھ روپے آپ مجھے ایک لاکھ روپے ادا کریں گے اس کے بعد آپ جب تک زندہ
 رہیں گے ہر ماہ مجھے ایک لاکھ روپے ادا کیا کریں گے۔ کتنے ٹھیک ہے؟"
 "بالکل ٹھیک ہے۔" نذیر چوہدری نے پرجوش لہجے میں کہا "میں اپنے وکیل کو بھیج
 دیتا ہوں۔ تم اس سے مل کر معاہدہ کرلو۔"
 "معاہدے کی ضرورت نہیں چوہدری صاحب۔ مجھے آپ پر اعتبار ہے۔ دش جو
 گڈ لک۔ خدا حافظ۔"

☆—————○—————☆

اگلے روز صبح اس بچے سینہ احساں علی ذہین اختر کے سامنے بیٹھا تھا "آپ کو اولاد
 کی خواہش ہے؟ انشاء اللہ پوری ہو جائے گی۔"
 "میں آپ کو یہ بتاؤں کہ میں اور میری بیوی دونوں ہی اولاد پیدا کرنے کی اہلیت
 سے محروم ہیں۔ ہم عمل چمک اپ کر چکے ہیں۔" سینہ احساں نے کہا۔
 "آپ اس کی پروا نہ کریں۔ انشاء اللہ آپ صاحب اولاد ہو جائیں گے۔" ذہین
 اختر نے پورے اطمینان سے کہا۔

"اور آپ کا معاوضہ کیا ہو گا؟"

"دس لاکھ روپے۔"

"دس لاکھ ایہ تو بہت زیادہ ہے۔"

"آپ بے خودی بتا رہے ہیں کہ یہ ناممکن کام ہے پھر میں آپ کی حیثیت سے بڑھ کر
 تو نہیں مانگ رہا ہوں۔"

"یہ رقم میری حیثیت سے زیادہ ہے۔" سینہ احساں نے کہا۔

"آدمی کی خواہش کی کوئی قیمت نہیں ہوتی احساں صاحب۔ حواہ خواہ کی
 بار کیس تک۔" ذہین اختر نے ناممکن لہجے میں کہا "نیت اچھی نہ ہو تو ہمارا خراب

ہو جاتے ہیں۔ آپ کی حیثیت میں جانتا ہوں۔ آپ ہر اگونہ ایسی اشیاں کے پار نہیں۔
 آپ کے لئے تو کروڑوں کوڑ بھی کوئی حیثیت نہیں ہے میں تو صرف دس لاکھ مانگ رہا
 ہوں۔"

سینہ احساں کے کندھے جھک گئے۔ وہ دس میں یہ تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ذہین
 اختر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ اس خواہش کی بات ہو رہی تھی جو اس کی اور اس کی محبوب
 بیوی کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی اور اس خواہش کے پورا ہونے کا کوئی امکان
 بھی نہیں تھا "میں ایک بات پوری صاف کوئی سے کہنا چاہتا ہوں۔" اس نے ذہین اختر کی
 آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں آپ کو فراڈ سمجھتا ہوں جو کچھ آپ دعویٰ کر رہے
 ہیں وہ ناممکن ہے۔"

"آپ کا تصور نہیں۔ شروع میں سب یہی سمجھیں گے۔" ذہین اختر نے بے حد
 محنت سے لہجے میں کہا "میں ہر ماہ آپ کا روپیہ تلف ہو گا۔ ویسے فراڈ کی کوئی
 محنت نکل نہیں۔ آپ مجھے پسے کوئی رقم تو دینے سے رہے۔ میں سو گا بھی نہیں۔"
 "تو ارادہ تھی کب ہو گی؟"

"جیسے ہی حمل کی علامات ظاہر ہوں گی۔ آپ کسی گانا کو ویسٹ سے رجوع کریں
 گے۔ اگر اس وقت نیست ہوں گے۔ مثبت رزلٹ سامنے آئے ہی آپ ادائیگی کر دیں
 گے۔"

"یہ تو مناسب نہیں۔" سینہ احساں نے کہا "خدا انخواستہ اسقاط بھی تو ہو سکتا ہے۔
 جبکہ آپ نے مجھے صاحب اولاد بنانے کا وعدہ کیا ہے۔"

"آپ کیسے آدمی ہیں۔ حمل قرار نہیں پڑا اور آپ اسقاط کی باتیں کرنے لگے۔"
 ذہین اختر نے حاست بھرے لہجے میں کہا "میں آپ سے وعدہ کر رہا ہوں کہ آپ کے ہاں
 اولاد ہو گی اور وعدہ ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا کریں کہ آدھا معاوضہ مثبت نیست کے بعد اور باقی آدھا بچے کی
 ولادت کے بعد۔"

"آپ کاروباری آدمی ہیں لیکن مجھ سے آپ فریاد فروخت نہیں کر رہے ہیں۔ اپنی ایک خواہش پوری کر رہے ہیں۔" وہیں اختر نے سخت لمبے میں کہا "مگر آپ کو میری شرط منظور نہیں تو تشریف لے جائیے لیکن میری شرط یہی ہے۔"

احسان ملی سر جھکائے چند لمبے سوچا رہا پھر اس نے سر اٹھایا اور بولا "ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔ آپ کسی معاہدے پر دستخط کرائیں گے؟"

"جی نہیں مجھے آپ پر اعتبار ہے۔ بدھدی کریں گے تو آپ ہی کو باطل سمجھائی نقصان ہو گا۔"

☆-----○-----☆

سیٹھ حسام وہیں اختر سے ملنے کے بعد اپنے آفس پہنچا تو وہیں سینہ داؤد سر پکڑے بیٹھا تھا "کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" احسان نے ہمدردانہ لمبے میں پوچھا۔

"ارے بھائی وہی عہد الرزاق۔" داؤد نے آہ بھر کے کہا "کسی طرح ماننا ہی نہیں۔ کسی رقم پر بھی نہیں مانتا۔"

"تم ایسا کہہ کر خواہش کارپوریشن سے رجوع کرلو۔"

سیٹھ داؤد کا منہ حیرت سے کھل گیا "تم تو اس دن اسے فروزا کہہ رہے تھے۔"

"فروزا تو ممکن ہے وہ اب بھی اٹکے۔" احسان نے کہا "لیکن نقصان کوئی نہیں۔ معاوضہ وہ کام ہو جائے کے بعد ہی لے گا۔ اپنا کیا جانا ہے۔" اس میں احسان کا اپنا بھی ایک ناکہ تھا۔ وہ جس کام کے لئے وہیں اختر کے پاس گیا تھا وہ در طلب تھا۔ جبکہ یہ کاروباری کام فوری طور پر ہو جانے والا تھا۔ فوراً ہی پتا چل جاتا کہ کارپوریشن فروزا ہے یا نہیں۔

"لیکن وہ، اشتہار والا ادارہ تو بے زبانی کھل ہو گا۔" سینہ داؤد نے ہاتھ دتے ہوئے کہا۔

"نہر میں لٹا ہوا۔" رنگ کرے ملاقات کا وقت ہے۔" احسان نے کہا اور داؤد نے رہیں، انہیں "بہر ملاؤ" ڈبل چار سو ہیں۔"

کہا۔

"ہاں ڈبل چار سو ہیں۔ چار سو ہیں 'چار سو ہیں'۔ فوراً لوزیرو۔ فوراً لوزیرو۔"

"یہ تو نمری ڈبل فروزا لگتا ہے۔"

"یہ تم نے اشتہار پڑھتے وقت نہیں دیکھا تھا۔" احسان نے طعنے لگے میں کہہ۔

لیکن داؤد نے اس کی بات نہیں سنی۔ اس کی انگلیاں بہر ملائے میں مصروف تھیں۔

☆-----○-----☆

اس روز احسان ملی شام کو جلدی گھر چلا گیا۔ اس نے یلو فر کو ڈیڑھ اختر سے ملاقات کی تفصیل بتائی۔

"مجھے تو پہلے ہی لگتا تھا کہ وہ فروزا نہیں۔ انشاء اللہ ہمارا کام ہو جائے گا۔" نیو فر نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھو مجھے تو اب بھی یقین نہیں۔" احسان نے کہا لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اندر سے خوش ہے "مجھے تو وہ فروزا ہی لگتا ہے۔"

"بس وہ پتہ کچھ لے ہی میں رہا تو فروزا کیا سوال ہے۔ تم آدمی ہی فکی ہو۔"

"اچھا تیار ہو عاز جلدی ہے۔ رات کا کھانا کسی ایسے سے ہوٹل میں کھائیں گے۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ ہمارا شادی آج ہی ہوئی ہے۔" احسان نے موضوع بدلا۔

رات دس بجے وہ واپس آئے تو دونوں بہت خوش تھے اور ایک دوسرے کے لئے بے تاب۔ دونوں کو اب ہی لگ رہا تھا جیسے ان کی شادی ہی ہوئی ہے۔ پچیس سال بعد وہ پھر سے جواں ہو گئے تھے۔ ورنہ برسوں سے ان کے درمیان محبت تو تھی لیکن جسمانی گرم جوشی مفقود ہو چکی تھی۔

☆-----○-----☆

ڈیڑھ اختر سے داؤد کو اگلے روز ملاقات کا وقت دیا تھا۔ داؤد اس سے ملاقات کے لئے پہنچا "کوئی زمین ہے جو آپ خالی کرنا چاہتے ہیں؟" وہیں اختر نے پوچھا۔

”آپ نے اسے خریدنے کی کوشش تو کی ہوگی؟“

"ظاہر ہے۔ اس کی وجہ سے میرا پروجیکٹ رکا ہوا ہے۔"

”زمین کے مالک کو کہاں تک آفر کی آپ نے؟“

سیئہ دودھ لگایا۔ کاروباری آدمی تھا۔ کسی کو پوری بات بتانے کا وہ قائل ہی نہیں

”آپ کو مجھ سے کام نہ لانا ہے تو بیٹن نہ ہوئیں اور مجھے مکمل معلومات فراہم

کریں۔ درت آپ کا کام نہیں ہوگا۔" وہیں ان کے لیے میں قطعیت تھی۔

جیلو اور کو پینے آگیا۔ اب یہی ایک راستہ رو گیا تھا اور وہ بھی بند ہو رہا تھا میں

اسے ساتھ، اہل کی آفر کر چکا ہوں۔ " اس سے مرے مرے بیچے میں کہا۔

”اگر میں پچیس فیصد بچت کے ساتھ آپ کا یہ کام کراؤں تو؟“ ذہیں انہیں اسے

• بطور دیکھ رہا تھا۔

سیٹھ دادو نے ٹیب سے ہر مال نکال کر پیشانی سے پینٹ پر نچا اور سانسیں درست

کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے لگاؤ "تو یہ مجھ پر احسان ہو گا آپ کا۔"

"میرے اور آپ کے بیچ احساس کا کوئی رشتہ نہیں۔" (ہیں اختر نے سر ہلجے میں

کما 60" لاکھ 75 فیصد 45 لاکھ 75 ہے۔ آپ کو 45 لاکھ میں پڑے گی۔

آپ کا کلام اللہ آج ہی ہو جائے گا۔ بچے والا خود آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اس

سے منہ مائل و رقم پر سودا کریں گے۔ اگر وہ پندرہ لاکھ روپے مانگے گا تو بقیہ تیس لاکھ آپ

مجھے دیں گے۔ جو میں حضور ہے^{۱۱۴}

”مم م مجھے منظور ہے۔“ ”یعنی ارے ہاں ہے۔“

”سوچیں اچھی طرح۔ ابھی وقت ہے۔“

سینہ دائرہ سوچنے کی پوزیشن میں ہی کہیں تھا۔ وہ تو سب ادا تھا تھا کہ 15 لاکھ کی

بچت کے ساتھ ایک ناممکن کام ہو رہا ہے۔ "اس میں سوچنے کی کوئی بات ہی نہیں۔" ۱۵

”اب آپ مجھے اس شخص کا نام ولایت اور پتا لکھوادیں جس کی وہ زمین ہے۔“

سیٹھ داؤد نے عبد الرزاق کا بیٹا نکھرا دیا۔

”اوب آپ جائیں۔ یہ میرا بیگ اکاؤنٹ نمبر ہے۔“ ذہین اختر نے ایک پرچی پر ممبر

لکھ کر اس کی طرف بڑھنا ”کل اس میں تمیں لاکھ روپے جمع کروا دیجئے گا اور پس مجھے فوراً

کر کے ضرور یاد رکھئے۔"

”آپ مجھ سے کی کنڈ پر اس خط نصیر کماچے گا؟“ بیٹھ داؤر نے ہرٹ سے ہے

-14-

”اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے آپ پر اعتبار ہے۔“ وہین اختر نے بے پروائی سے

کہا: ”مجھ سے دھوکا کرنے والے پناہی نقصان کرتے ہیں۔“

☆ ○ ☆

بیسویں دور: ہفتپنچا کا چار بجے دفتر پہنچا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ وہاں عبد الرزاق ایک کرسی

یہیاضضرورت انداز میں پلو بدل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا "کہاں بیٹے گئے

نئے سینہ۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔^{۱۱} اس نے کہا۔

”کیا بات ہے؟“ میںہ ناگوار نے مصیبت سے پرچھا۔

میں نے تینوں دکانیں بیچے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم نہیں ہو گے تو کسی اور کو بیچ دوں



میں کیوں نہیں لوں گا۔" سینہ داؤد لے بے حد محبت سے کہا "وہ تم راضی ہی

میں اس پر تھکے۔^{۱۸}

”لیکن میں قیمت حد مانگی ہوں گا۔“

منہ دوا کا دم نکل گیا۔ ذہین اختر نے تو یہ تاثر دیا تھا جیسے زمین صرف پندرہ لاکھ

مل جائے گی جبکہ عبدالرزاق کا لہجہ کچھ اور ہی تھا رہا تھا پھر اسے خیال آیا کہ ایک اس

فی تو ہو گئی ہے اور وہ بھی اسی انداز میں، جیسے دین، اختر نے بیان کی تھی۔ یعنی

عبدالرزاق خود چل کر اس کے پاس آیا تھا اور اپنی زمین پیش کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی یاد آیا کہ وہیں اختر نے بھی منہ مانگی قیمت کا لفظ استعمال کیا تھا۔ سو اس نے دل کڑا کے کہا "ٹھیک ہے۔ میں منہ مانگی قیمت دوں گا۔"

"بس تو چہرہ لاکھ مجھے دو۔ زمین تمہاری ہوگی۔"

سینٹ داؤد کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا پھر انہوں میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ کام آج ہی مٹا ہے اور یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

☆—————○—————☆

عبدالرزاق دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔ الیکٹرک غصہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا "تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ تم پر کون سی افتلا آپڑی تھی کیوں تم نے یہ سودا کیا مجھ سے پوچھے بغیر؟ اور خودی اس کے پاس چلے گئے؟" وہ فریاد کیا۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟" عبدالرزاق نے بے بسی سے کہا۔

"تم گرجاؤ کہ اس نے کسی فنڈے کو بھیجا تھا اور تمہیں کوئی خطرناک دھمکی دی تھی تو میں مان لوں گا۔ اگر تم کہو کہ تمہارا دماغ کسی مظلوم وجہ سے ماؤف ہو گیا تھا اور تم اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھے تو میں تمہیں سمجھ کر ہنس کر دیکھوں گا لیکن جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ میرے حلق سے نہیں اترے گا۔"

"میں کیا کہوں۔ تمہیں سچ بتا رہا ہوں۔ میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میرا دماغ بالکل ٹھیک کام کر رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ میں غصہ کر رہا ہوں، نقصان کا سودا کر رہا ہوں لیکن دماغ کا ایک حصہ مجبور کر رہا تھا کہ میں یہی کہوں۔ میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ میرے اندر ایک بہت توانا خواہش ابھری تھی کہ میں خود جا کر اس زمین کا سودا کروں۔ میں اس خواہش کو نہیں دبا سکا۔ وہ میرے بس میں سیں تھی۔"

"لگے دے ہو تم۔ میں تمہیں اس زمین کے کم از کم ایک کروڑ دلاؤں گا۔ 25 لاکھ میرے ہوتے۔ خیر یہ بتاؤ اب بھی کچھ ہو سکتا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ سینٹ داؤد نے ہر کام پکا کیا ہے۔"

"پھر بھی میں چیک کروں گا۔ مجھے اس معاملے میں گڑبگ محسوس ہو رہی ہے۔"

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیا کہو گے تم؟" عبدالرزاق کے لیے میں ہاں ہی تھی۔

"دیکھتے رہو۔ آج میں سینٹ داؤد کے اسٹنٹ کو گھیروں گا۔ اگر وہ کچھ جانتا ہے تو اسے اگھائی پڑے گا۔"

☆—————○—————☆

تمام مطلوبہ معلومات دہین اختر کی میز پر پہنچ گئی تھیں۔ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے دہین اختر اپنی تفتیش انجنی کی مستعدی کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ ان لوگوں نے بہت چیزیں دکھائی تھیں۔ معلومات ہر لحاظ سے مکمل تھیں۔ اس نے تمام لوگوں کو انٹرویو کے لئے طلب کر لیا۔

سب سے پہلے صوفیہ باروں آئی۔ دہین اختر جانتا تھا کہ یہ دہرا کیس ہے۔ صوفیہ جس شخص کی محبت حاصل کرنا چاہتی تھی وہ ایک اور لڑکی عالیہ سے محبت کرتا تھا اور عالیہ کے مسئلے میں ایک اور امیدوار نے اس سے رجوع کیا تھا۔ اس امیدوار کا نام تھا محمود ہمدانی۔

دہین نے اس کیس پر بہت غور کیا تھا جو معلومات اس کے سامنے موجود تھیں ان کی روشنی میں پتا چلتا تھا کہ عالیہ اور شہب عاقلہ اور دہین اختر کا ایک روپ ہیں۔ محبت موجود تھی لیکن دہین اور عاقلہ کے برعکس وہ دونوں دولت کے بیماری نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی محبت کو مشروط نہیں کیا تھا۔ دہین نے پہلے تو یہ فیصلہ کیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان جدولی سیں کرے گا۔ وہ اور عاقلہ نہیں مل سکے لیکن عالیہ اور شہب تو مل سکتے ہیں۔

مگر پھر اچانک اس کے دل میں ان دونوں کے لئے نفرت چل اٹھی۔ جب وہ اور عاقلہ نہیں مل سکے تو کوئی اور کیوں ملے۔ اسے یہ احساس بھی ہوا کہ اس طرح وہ اپنے اور عاقلہ کے گھنہ پن کی مزا دو معصوم دلوں کو دے رہا ہے۔ اس نے تو صرف یہ سوچا کہ اسے جس لاکھ کا قاتلہ ہو رہا ہے وہ کیوں اپنا نقصان کرے۔ پھر بھی اس نے ان دونوں کو

روپیہ لے سرائے کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔ ایک بلور دی پولیس افسر اس کے سامنے کھڑا تھا "کی فرم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں کچھ فرم نے نہیں تمہارے پاس سے لئے کیا ہوں۔"

"مجھے یاد نہیں آتا کہ آپ نے طاقت کا وقت لیا ہو۔"

انپلز غصہ کی تیاریاں چڑھ گئیں "یہ تو میری خوشی اعلیٰ ہے۔ ورنہ میں تم سے ہاتھ پیچھے بھی کرے میں تمس سکتا ہوں۔" اس نے کڑے لہجے میں کہا۔

روپیہ غصی اور ذہن اختر کے کمرے میں چلی گئی۔ ذہین اختر کسی پولیس آفیسر کی آمد کا سن کر جھپٹا ہوا لیکن اس نے بے پردائی سے کہا "اسے اندر بھیج دو۔"

ایک منٹ بعد انپلز غصہ ذہین اختر کے سامنے بیٹھے تھے۔ اس کے اعجاز میں رعیت تھی "میں اس علاقے کا ایس ایچ او ہوں۔" اس نے کہا

"میں ایسے لوگوں سے نہیں ملتا جنہوں نے پہلے سے وقت نہ لیا ہو۔" ذہین اختر نے کہا "میں تمہیں تھا کہ تمہیں کوئی خواہش یہاں تکھی لائی ہے۔ اسی لئے تمہیں بلوایا ہے۔ اب جلدی سے اپنا مقصد بیان کرو۔" اس نے دانستہ انپلز کو تم کہہ کر چھلپ کیا تھا۔

ذہین اختر کا رویہ انپلز غصہ کے لئے خلاف توقع تھا "اس علاقے میں ہونے والے ہر غیر قانونی کاروبار پر نظر رکھنا میرا فرض ہے۔" اس نے کہا۔

"میں اندر رہ لگا سکتا ہوں کہ تم کتنے فرض شناس ہو۔ کام کی بات کرو۔"

"میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ سینٹہ داؤد سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"سینٹہ داؤد میرا کٹا کھٹ ہے۔"

"اور تمہارا کاروبار کیا ہے؟"

"خدمت..... خدمت غلط۔ میں معقول منلوں لے کر لوگوں کی خواہشات پوری کرتا ہوں۔"

"کیسے؟ طریق کار کیا ہے تمہارا؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔ میرا ٹریڈ سیکرٹ ہے اور تمہیں یہ پوچھنے کا کوئی حق بھی نہیں۔"

"حق کے بارے میں تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے کچھ میاں دی باتیں معلوم کروں۔ یہ بتاؤ کہ سینٹہ داؤد تمہارے پاس اپنی کون سی خواہش کے سلسلے میں آیا تھا؟"

"تمہیں یہ پوچھنے کا حق بھی نہیں۔"

"یہاں میں مسئلہ آسان کر دیتا ہوں۔" انپلز نے مسکراتے ہوئے کہا "کیا سینٹہ داؤد کی عبدالرزاق کی زمین حاصل کرنے کی خواہش تم نے پوری کی ہے؟"

"میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"تم نے عبدالرزاق کو زمین فروخت کرنے پر کیسے قائل کیا؟"

"یہ بات تم عبدالرزاق سے کہیں نہیں پوچھتے؟"

"مجھے بھلا تھا۔ نقل و حرکت جواب نہیں دے سکتا۔"

"تو مجھ سے کیا امید رکھتے ہو؟" ذہین اختر نے غصے سے لہجے میں کہا۔

"سنو اختر! تم یہاں سیدھی طرح بات نہیں کرو گے تو میں تمہیں گھسیٹا ہوا تھا نے لے جاؤں گا۔" انپلز نے بے حد سخت لہجے میں کہا۔

ذہین اختر کی رنگت خیر ہو گئی۔ اپنے نام میں سے ذہین کا غائب ہونا اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ تاہم اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے نرم لہجے میں کہا "ٹھیک ہے

انپلز۔ اب میں سیدھی طرح بات کروں گا۔ تم یہ جانتا چاہتے ہو تاکہ میں نے عبدالرزاق کو زمین چنے پر کیسے قائل کیا۔ میں اس کا جواب دوں گا لیکن نقل و حرکت میں مل۔"

"کیا مطلب۔"

"میری خواہش ہے کہ یہ انپلز اسی جگہ بیٹھ کر۔ آواز بلند خود کو سوار گدھا حسین کرے۔" ذہین اختر نے سرسری لہجے میں کہا "میں چاہتا ہوں کہ یہ اپنی پوری قوت سے میری خواہش کے خلاف مداخلت کرے اور ناکام رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ میری خواہش پوری کئے بغیر یہاں سے بٹے بھی نہیں۔"

اپکنے کے چہرے پر عجیب سے تاثرات بھرے۔ اس کے ہونٹ ہنس کر زور ہے
تھے جیسے وہ کچھ کنا چاہ رہا ہو لیکن کہہ نہیں پا رہا۔ آخر اس کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی
آواز نکل "ہیں..... گدھا ہوں....." میں۔ "ہر پار خود تو گدھا کہتے ہوئے اس کے
تاثر کی اہمیت ملتی بڑھ جاتی۔ پھر وہ میں بار میں گدھا..... ہوں کی گردن کرنے کے
بعد جیسے اس کی مداخلت دم توڑنے لگی۔ اس کے جیسے رواں ہونے لگے نہیں چہرہ پر
اہمیت کی غمگینی ہوئی۔

ابن اختر سکون بیٹھا کتنی کئے جا رہا تھا۔

سو کی کتنی پوری کرے اپکنے ہنسے سے غصے کی تیز رفتار گاڑی وہاں تک
بریک لگایا گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ ساتھیوں کے ساتھ عبد اللہ نے بتایا تھا وہ اس کی بجھ
میں پوری طرح آگیا تھا۔

وہ اٹھ اور تیزی سے دروازے کی طرف چھٹا لیکن مقب سے اس کی پکار نے
اس کے قدم قیام لئے۔ اس نے پلٹ کر سوائے ٹھکڑوں سے دیں ان کی طرف دیکھا
"آئندہ میرے پاس صرف کلائنٹ آئیں گے اور اس دور کی میں رہ کر۔ آگے۔ کچھ ہے۔"
"نئی میں کچھ گیا۔" اپکنے نے سعادت مندی سے سا اور اس سے گل بھاکا۔

☆-----○-----☆

بیکہ داود سے لوں کی کھنٹی تھی۔ اس نے ریسو اٹھایا "بیوہ....."
"ہیکنگنگ۔" اس نے ہاتھ ہیں میں کیا۔

"میں اپنی اختراعات رہا ہوں۔ چاروں ہو گئے۔ تمہارے میں میں کیا تو میں نے سوچا
کہ خود ہی فون کر کے معلوم کر لوں۔"

بیکہ داود کا اس سے ایسا ہو چکا تھا۔ میں کچھ کامیاب تھا اور پھر وہ تو ہو چکا تھا
اب میں اختر یا رہ سکتا تھا "کیا معلوم رہا ہے؟" اس نے حلقے کے میں پوچھا۔

"میں کہ تمہارا کام ہو گیا یا نہیں؟"

"کون سا کام؟"

"وہی عبد اللہ زانی کی زمین والا۔"

"وہ زمین تو میں نے خرید لی ہے۔"

"میرے میں لاکھ جمع کر لیا؟"

"کون سے میں لاکھ؟"

"وہی میں لاکھ معلوم دے" جس کی بات تمہارے ہمارے اور میں نے ہوئی
تھی۔"

"جیسے میں لاکھ؟ کمال کامیاب؟ تم نے تو میرا کام میں لیا۔ وہ تو خود عبد اللہ زانی
کے اس میں آگئی کہ اسے میں بھی ہے۔ تمہارے کچھ کرنے سے پہلے ہی وہ جو چل کر
میرے پاس آگیا تھا۔ اس نے سارا ہی خوش کیا ہے۔ تم کہیں سے بچ میں آگئے۔"

"اوہ! یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا۔ فی الواقع تکلیف دہی پر معذرت خواہ ہوں۔
گڈ بیل۔" دوسری طرف سے دیں اختر نے بے حد خلوص اور خوش حالی سے کہا اور
دیکھو رکھ دیا۔

داود ریسو رکھ رہا اپنے پار سے اس کی طرف مڑا "اسے کہتے ہیں ام کے ام
تھیلیوں کے دام۔"

"میرے خیال میں یہ تو لے رہی کی بدترین غلطی کی ہے۔" بیٹھ اس نے کہا
"جو محض یہ نامیں لگا کر اس کے وہ کام بگاڑ بھی سکتا ہے۔"

"کاش تم لوں میں رہتے ہو۔" داود نے ہنسنے سے کہا۔ "میری بات میں
کر وہ دم دیا کر بیٹھ گیا۔ اپنی معذرت کی اس نے مجھ سے۔"

"میرا خیال اب بھی بگڑا ہے۔ خدا کہے 'خیریت ہی رہے۔"
"تم تو جواد خواہ ڈرتے ہو بار۔" داود نے "اس میں کچھ نہ بچت میں تمہارا حصہ
بھی تو ہے۔"

☆-----○-----☆

بیٹھ داود کو دوبارہ اپ سے کچھ رعبہ رعبہ میں رہ گیا۔ اس نے سوچا

شاید کسی تھوئی کلہ روائی میں اس کی ضرورت ہوگی۔

عبدالرزاق کو اس بات کا ملال تھا کہ ہیں دکانوں کے لئے اس نے ساٹھ لاکھ کی آفر ٹھکرا دی تھی اور پھر جانے کیا ہوا کہ اس نے خود جا کر اسی پارٹی سے پندرہ لاکھ میں سودا کر لیا۔ اسے لگتا تھا کہ اس کی جیب سے 45 لاکھ نکل گئے ہیں۔

طلال اپنی جگہ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے لئے چند روٹے لاکھ بھی کم نہیں۔ انیسویں ظہیر کی پشت پناہی نہ ہوتی تو وہ سینہ داؤد کا داؤ نہیں جھیل سکتا تھا۔ اس کے ہتھکنڈوں کے سامنے اسے آخر کار ہتھیار ڈالنے پڑتے اور اسے دو تیس لاکھ سے زیادہ جرگز نہ ملنے لیکن انیسویں ظہیر کے ہوتے سینہ داؤد کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا اور انیسویں ظہیر لبہا ہاتھ مارنے کے چکر میں تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس زمین کے ایک کروڑ دلائے گا۔ پچیس لاکھ اس کے ہوں گے تو نقصان میں وہ نہیں رہا تھا۔ بلکہ نقصان انیسویں ظہیر کا ہوا تھا۔

"کو بیٹھ کیسے آئے؟" عبدالرزاق نے واڈو سے پوچھا۔
 "میرے ساتھ کورٹ چلنا ہے تمہیں۔"

”کیوں؟ کارروائی میں کوئی کی رہ گئی ہے؟“

دیکھتے ہی دیکھتے سینہ داؤ کی آنکھیں غم ہو گئیں۔ ”میں اس ریادتی کی تلافی کرنے آیا ہوں“ ہوش نے ہنسارے ساتھ کی ہے۔ ”اس نے رقت آسیر بچے میں کہا ”اللہ مجھے معاف کرے۔“

عبدالرزاق حیران مدظلہ کون سی زیادتی سیلہ ۳۶

"میں نے تم سے ہمساری مرضی کے خلاف ہمساری دکانیں خریدیں۔ یہ بہت بڑی زیادتی تھی۔ بس تم کو رٹ چلو میرے ساتھ۔"

عدالت میں کارروائی ختم ہونے کے بعد سینٹ ڈاؤڈ نے کانفرنسات عبدالرزاق کو دیتے ہوئے کہا "اب میرا ضمیر مطمئن ہو گیا۔ میں نے تمہاری زمین تمہیں گھٹ کر دی۔"

"لیکن سینٹ ڈاؤڈ....."

”لیکن دیکھ کچھ میں۔ ہم دولت مند بھی خوف خدا رکھتے ہیں۔ کم سہی اور کبھی

کھار سی۔ بس اب تم گھر جاؤ اور اپنی دکانیں منیالو۔
حیران مشدد عہد الرزق اپنے گھر آگیا۔

☆──────────────────○──────────────────☆

عالیہ اور شہبہ کے کیس میں دہن اختر سے ملاؤنگی میں نکی سرزد ہو گئی تھی۔ اپنے طور پر اس نے ان کے ساتھ وہی کچھ کیا تھا جو عاتقہ اور وہ اپنے ساتھ کر چکے تھے۔ عاتقہ اپنے پاس سے شہری کرتے ہوئے دہن اختر کی محبت سے دستبردار نہیں ہوئی تھی۔ اب دہن اختر اس محبت کی آگ میں جل رہا تھا جسے اس نے درخشش مستقبل کی آرزو میں پھیل دیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ وہ ساری طرف عاتقہ بھی اس آگ میں جل رہی ہوگی۔ وہ عاتقہ کو اور خود کو صرف ایک خواہش کے ذریعے اس آگ سے بچا سکتا تھا لیکن شہبہ وہ سراسی جو وہ خود کو اور عاتقہ کو دے رہا تھا۔ جدائی کا فیصلہ عاتقہ نے خود کیا تھا تو اس کا فیصلہ بھی اسے خود ہی کرنا تھا۔ اب وہ چاہ رہا تھا کہ عالیہ اور شہبہ بھی اسی آگ میں جلیں۔

علیہ نے شہد کو اپنا فیصلہ سنیا تو شہد کا رد عمل وہیں اختر کی خواہش کے مطابق تھا۔ اس نے نہ حیرت ظاہر کی نہ کوئی احتجاج کیا۔ بس اتنا کہا کہ ہم دونوں نے اتنی بڑی ترفیہ کا سامنا اپنے حرم سے تک کیا تو یہ صرف خدا کے کرم کی علامت تھی۔ ورنہ آدمی بہت کمزور ہوتا ہے۔ اس نے علیہ کو صوفیہ کے بارے میں بھی بتا دیا۔

”یہیں شاہد! میں تمہاری محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔“ عالیہ نے کہا۔

”اس کی ضرورت بھی نہیں۔ ہماری محبت اتنی گھنٹیا نہیں کہ حصول سے مشروط ہو۔ میں بھی زندگی کی آخری سانس تک تم سے محبت کرتا رہوں گا۔“

”لیکن کیا یہ حیا نت نہیں ہوگی کہ ہم ہمیں کسی کے ساتھ اور محبت کسی اور سے کرتے رہیں۔“

”میرے ساتھ یہ مسئلہ نہیں۔ میں صوفیہ کو تمہارے بارے میں مانچکا ہوں۔ اس کے بعد خیانت کا کوئی سوا حل نہیں رہتا۔“

”یوں تو میں بھی سو اسی صاحب کو تمہارے بارے میں بتا چکی ہوں۔“

”بس تو پھر تمہارے خمیر کو کئی بوجھ نہیں ہونا چاہئے۔“

”سیکس م مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔ تم سے ملوں تو میں کمزور ہو جاؤں۔“

ۛ

”میں خود تم سے بھی کہنے والا تھا۔ تم بے فکر رہو۔ میں تمہارے راستے میں کبھی

نہیں آؤں گا۔"

یہ دو دونوں اسی میں لپٹے رہ گئے، پھر کسی مارا کسی کے ایک دوسرے سے جدا



میں نے فوراً کی تھنٹی بج رہی تھی۔ روبیہ۔۔۔ ریسیور اٹھ گیا۔ "حوالہ پیش کر رہی ہیں۔"

"میری ذہن صاحب سے بات کر گئے ہیں۔" دوسری طرف سے کسی نے جواب دیا۔

ہوئی آزاد میں گیت۔

"آپ اپنی خواہش بتائیے۔ اس کے بعد آپ (میں صاحب سے ملاقات کا وقت

لے سکیں گے۔" روہیلہ نے جواب دیا۔

"میر محمد قلیغ۔ میں آپ کا کانٹ ہو رہا۔ میری خواہش کے موافق میری

ڈنڈ ہو گئی۔ پھر اس صاحب سے بات کر کے مہر نام عام مشہور

4

۳۱ ایک منٹ کاؤ پر ۲۰ روپے بٹے کی پھر اسٹوڈنٹس کو ایک شاکر (سراف) ہے

”ٹھیک ہے۔ میرا دل کراہ رہا ہے۔“

١٠٠

- 51 -

$$d \int_{\Omega} |\nabla u|^{p(x)} dx + \int_{\Omega} |u|^{q(x)} dx = \lambda \int_{\Omega} f(x) |u|^{r(x)-2} u dx + \int_{\Omega} g(x) |u|^{s(x)-2} u dx$$

لو کہیں سے - ہم گزرتے ہیں

”کیا آپ یہ کتا چاہ رہے ہیں کہ آپ کی حواش پوری نہیں ہوگی؟“ ذہین اختر نے سرو بے میں پوچھا۔

”میں تباہ رہا اور کیا زمین عذاب ہے“

"آپ میرے سوال کا جواب دے رہے ہیں یہ سچ رہے رکھ دوں"۔

”میری خواہش تو بوری ہو گئی لیکن بہت چڑی گڑبڑ ہو گئی۔ دہر صاحب یتیم خانہ پر

24

”میں نے کہا ہوں۔“

”صحیح جواب میں کہ میں نے طلاق مانگا اور تم نے اسے طلاق دے دیا۔“

کہ بھی پھونکا جائے۔ میرا ہے ہمت کا، تو وہ کہے گا کہ میرے لیے عظمیٰ کا۔

یہ کہہ کر اس نے فریڈ سے ملحقہ بے کمرچھ سے شادی کی توقعات کا منہ چھڑا دیا۔

نے کار اور قدم کی طاقت کو قبول کیا۔ یہی ہے جسے ہم ریسم کہتے ہیں۔ یہ قدم جسے ہم ریسم کہتے ہیں۔

سہی ٹھیکہ اس لئے جاننا تھا کہ وہ اب کس سے رہتا تھا۔

"میں نے کہا"

ملک متحده عربیہ اسلامیہ کے اخبار "الجمہوریہ" نے

"عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ:

۱۸

[illegible]

نصیر محمد ایچ پی قیصر، ملتان کے ایک لڑکے کو کہہ رہے ہیں۔

1. *Chlorophyll a* (Chl *a*)

* - ۱ کتبی و شفاهی

[illegible]

وہ ساری سدا۔ ہوتی تو ضرور مرادیتا۔ اس پتہ ہی کہہ چکا ہوں۔ دہشتہ کی سدا۔

49

"تو میں کیا کروں اب؟" آواز سے لگتا تھا کہ عامر جیشہ اپنے سر کے بال موج رہا ہے "میں نے نائلہ سے ملنے کی کوشش کی تھی اس نے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ طلاق ہو چکی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بھی طلاق سے کر پھرتا رہی ہے لیکن اس نے کہا کہ طلاق کے بغیر یہ بھی ممکن نہیں۔"

"درست کہا اس نے۔ دوبارہ شادی کے لئے طلاق ضروری ہے۔" دہین اختر نے کہا۔

"تو آپ میری مدد کیجئے نا۔" عامر اب گڑگڑا رہا تھا "آپ نائلہ سے شادی کر لیں۔ میری خاطر۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ میں بہت گناہ گار آدمی ہوں۔ تم مجھے بالکل ہی بد کر دینا چاہتے ہو۔"

"اس میں حرج کیا ہے۔ میں نے آپ کو ایک اصول خواہش کا مفہوم پہنچا دیا۔ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔"

"جانتے بھی ہو طلاق کیا ہے۔" دہین اختر نے گرج کر کہا "تم تو نکاح کا مفہوم بھی نہیں جانتے۔ جس شخص کے ذہن میں نکاح سے پہلے یہ ارادہ اور یقین ہو کہ بعد میں وہ کسی بھی وجہ سے اپنی مقفولہ کو طلاق دے دے گا اس پر نصرت کیجی گئی ہے۔ اب تم طلاق کے لئے کسی سے معاملات طے کر دیا یا کچھ بھی کرو۔ میرا بیچنا چھوڑ دو۔" اس نے ریجور پٹخ دیا۔

☆-----○-----☆

دہین اختر کی مددیت کے مطابق صوفیہ ہاروں نے خواہش کی پہلی کی۔ حالانکہ وہ بہت عجیب سا محسوس کر رہی تھی میں شاید کار و عمل بے حد حوصلہ افزا تھا۔

صوفیہ نے شاید کو پے دفتر میں بلا دیا تھا "شاید صاحب! میں آپ کی شادی کے مسئلے میں آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔" صوفیہ نے کہا۔ اگرچہ اس کا دل زار رہا تھا یہ کہتے

ہوئے۔ اس کا ایب کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ تو خود شاید سے شادی کرنا چاہتی تھی اور ڈر رہی تھی کہ کہیں دہین اختر اسے بالکل ہی نہ مروا دے۔

شاید نے نظریں اٹھا کر حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں استعجاب تھا۔ "اس روز آپ نے بتایا تھا کہ آپ کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں! آپ نے کچھ نیچو دیوں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ میں نے بہت غور کیا بہت سوچا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ صرف پیر ہی تو چاہیے۔ وہ میں غلام کر سکتی ہوں۔ آپ صرف اتنا بتادیں کہ کتنی رقم چاہئے ہوگی آپ کو۔"

شاید کی نظروں میں اب بھی حیرت تھی "یہ خیال کیوں آیا آپ کو؟ اور آپ اس مسئلے میں کیوں سوچتی رہیں؟" اس نے پوچھا۔

وہ اسے ٹھٹھکی ہانڈھے، کچھ رہا تھا۔ صوفیہ نے نظریں جھکائیں "آپ میرے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ میں آپ کو ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے نظریں اٹھائیں اور شاید کی آنکھوں میں مھانکے لگی۔

اس بار شاید نے نظریں جھکائیں "میں چاہئے اس بات کو۔ عالیہ نے شادی کر کے اپنا مسئلہ حل کر لیا ہے۔"

"ہاں۔ آئی ایم سوری شاید۔ ویلی سوری۔" صوفیہ کی آواز لڑکھاتی تھی۔ اسے یہ امید نہیں تھی۔ اب اسے یقین ہو لے گا کہ بات بننے ہی دہی ہے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مجھے کوئی مفہوم نہیں ہوا۔" شاید نے سلامی سے کہا "اس نے ٹھیک ہی کیا۔ میں اسے دے بھی کیا سکتا تھا۔"

"آپ کی یہ سوچ غلط ہے شاید۔" صوفیہ نے اپنے لہجے میں محبت سموتے ہوئے کہا "آپ کے پاس سب کچھ ہے کیا نہیں ہے۔ آپ پیسے کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں۔"

"پیسے کی بہت بڑی اہمیت ہے۔"

"ایک بات کوں شاید۔" صوفیہ نے اس کی آنکھوں میں مھانکا اور وہیں حوصلہ افزائی دیکھ کر بہت آگے بڑھائی "میں اب تک آپ کی عالیہ کے لئے محبت کے احترام میں

خاموش رہی مگر اب اس بدن ہوئی صورت حال میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

شہید بالکل حیراں نہیں ہوا۔ جیسے پتے ہی سے واقف ہو "یہ میرے لئے امرِ ارہ ہے مگر صوبہ لیکن شادی کے ساتھ ہی یہ بات میرے لئے بات تبدیل ہو جائے گی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"یہی کہا جائے گا کہ میں دوست کی خاطر آپ سے شادی کی۔ جو رہاں سے نہیں کہہ سکیں گے ان کی آنکھیں یہی بات کہیں گی۔"

"لیکن شہید اس سے۔۔۔"

"مجھے فرق پڑتا ہے مگر صوبہ میں یہ تو ہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ سے شادی میرے لئے خوشی کی بات ہوگی لیکن پہلے میں آپ کا نام پانچ سو سال آپ کے قتل بننے کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ میں فوری طور پر آپ کو ملازمت سے نکال رہی ہوں۔"

شہید کاٹھ حیرت سے کھل گیا۔

"آپ اپنا کاروبار شروع کریں۔ اپنا نام سے۔" صوبہ نے بات عمل کی

"سربائے کی فکر کریں۔ وہ میں فراہم کروں گی۔"

☆-----○-----☆

روینہ نے اسٹیو فون پر وہیں اختر کو بتایا کہ اسلٹ علی صاحب اس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ دین نے کلاسٹس کی ضرورت میں چیک کیا تو پتا چلا کہ وہ اولاد کی خواہش کرنے والا کلاسٹ ہے "ٹھیک ہے بات کراؤ۔" اس نے روینہ سے کہا۔

سینہ اسلٹ کی آواز روینہ پر ابھری تو اس نے کہا "کیا میں آپ کو مبارکباد دوں سینہ صاحب؟"

"ارے نہیں ذہین صاحب۔ تیری جدی کیسے پتا چل سکتا ہے؟" اسلٹ علی کے لیے میں کھیا ہٹ تھی۔

"ہاں ممکن کام وقت اور قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ یہ تو کسی بھی وقت ہو سکتے ہیں۔ خیر تو اس وقت آپ نے کیسے زحمت کی؟"

"آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں چراگون ایسوی اسٹس کا پارٹنر ہوں۔ وہ ایک زمین کا مسئلہ تھا۔۔۔"

"عبدالرزاق والی زمین؟"

"جی ہاں میں۔۔۔"

"اس معاملے سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ میں اس مسئلے میں صرف داؤد صاحب سے بات کر سکتا ہوں۔"

"داؤد گھبراہ ہے میں کہ آپ ان سے بات بھی نہیں کریں گے۔"

"لیکن کوئی بات نہیں۔ انہوں نے میری کوئی جاگیر تو نہیں دہائی ہے کہ میں ان سے تھا ہوں۔ ویسے بھی میں کاروباری آدمی ہوں "کاروباری معاملات میں حصہ نہیں کرتا۔"

"تو میں روینہ داؤد کو دے دوں؟" اسلٹ کے لیے میں اچھا تھی۔

"ضرور کہیں نہیں۔"

چند لمبے بعد روینہ پر سینہ داؤد کی لرزئی آواز ابھری "سدا یکم آہیں بھائی۔ کیسے ہیں آپ؟"

"اللہ کا کرم ہے۔ آپ اپنی شایعے خوش تو ہیں آپ؟" وہیں اختر نے چمک کر کہا۔

"خوشی، دین بھائی آپ نے تو میرا بیڑا غرق کر دیا۔ وہ چند رو لاکھ بھی گئے اور زمین بھی بھر پھنس گئی۔" داؤد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو اس سے میرا کیا تعلق بھائی؟" وہیں اختر نے مصیبت سے کہا "کچھ بتائیے تو سہی کہ کیا ہوا۔"

"ہونا کیا تھا۔" روینہ پر مگر سانس کی آواز سنائی دی "میں نے خود مددایت چاکر زمین عبدالرزاق کو گھٹ کر دی۔"

"کیسی بے انصافی ہے کہ انعام آپ مجھے دے رہے ہیں۔"

"میں ہے بس تھا" مجبور تھا۔ میرا خود پر کچھ نہیں تھا۔ یہ تمہاری ہی کی ہوئی گزیر تھی ذہین بھائی۔"

"پہلے عبدالرزاق خود آپ کے پاس آیا اور میری کسی ہوئی قیمت میں زمین آپ سے بیچ دی۔" ذہین اختر نے سرد لہجے میں کہا "آپ نے کہا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا۔ وہ تو اس کے دل میں خود بخود یہ خیال آیا تھا۔ اب آپ خود اس کے گھر چلے گئے اور زمین سے گھٹ دے دی تو کہہ رہے ہیں کہ یہ میرا کیا دھرا ہے۔ یہ خیال آپ کے دل میں خود بخود نہیں آیا تھا۔۔۔۔۔"

"فارض کیوں ہوتے ہو ذہین بھائی۔" سینہ داؤد نے گہرا کر کہا "ہم تو پہلے ہی مرے ہوئے ہیں۔ مرے ہواؤں کو کیوں مارتے ہو۔"

ذہین اختر کو ہنسی آگئی "آپ مجھے سے کیا چاہتے ہیں آخر؟" "مجھے وہ زمین دلاؤ ذہین بھائی۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" "آپ جانتے ہیں سینہ داؤد کہ وہ زمین آپ کو قیامت تک نہیں مل سکتی۔" ذہین اختر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اب بھی مجھے وہ زمین دلا سکتے ہو۔ خدا کے لئے مجھ پر مہربانی کرو۔" داؤد گڑگڑایا۔

"خدا کو درمیان میں نہ لاؤ سینہ۔ اور نہ مہربانی کی بات کرو۔ میں یہاں کاروبار کے لئے بیٹھا ہوں۔ مہربانی کرنے کے لئے نہیں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں ہر طرح سے حاضر ہوں ذہین بھائی۔۔۔۔۔"

"اب تمہیں وہ زمین 90 لاکھ میں چڑے گی۔ تمہیں لاکھ عبدالرزاق کو اور ساٹھ لاکھ مجھے دینے ہوں گے۔"

انکس پر خاموشی چھا گئی۔ ذہین اختر چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر بولا۔ "سینہ کیا میں رہیجور رکھ دوں؟"

"نہیں ذہین بھائی۔" فوراً ہی سینہ کی زودتی ہوئی آواز ابھری۔ "یہ بہت زیادہ ہے"

ذہین بھائی۔ رحم کرو۔"

"کچھ نہیں ہو سکتا سینہ۔ تمہیں پہلے سے ڈبل دینا ہو گا۔ ورنہ صبر کرو۔"

"اور وہ چند لاکھ جو میں عبدالرزاق کو دے چکا ہوں۔"

"اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تم پر ہے کہ چکے ہو۔" ذہین اختر نے بے رحمی سے کہا۔ "ابھی فیصد کر کے دلاؤ۔ ورنہ آج کے بعد میں تم سے کبھی بات بھی نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے مجھے حضور ہے۔"

"کو کے کرایہ کی بات سنو۔ اب مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ کل میرے اکاؤنٹ میں ساٹھ لاکھ جمع کر کے رسید مجھے لا کر دکھاؤ۔ اس کے دو دن بعد تمہارا کام ہو گا۔"

"ٹھیک ہے ذہین بھائی۔ ٹھیک ہے۔"

"ذہین اختر نے رہیجور رکھا اور مسکرا دیا۔ "اللہ مجھے اس کا اجر تو دے گا کہ میں اس نکلنے میں بھی دو گوں کو ایمان داری اور دوسروں پر اعتبار کرنے کا درس دے رہا ہوں۔" وہ ہنسیا۔



تھا۔ بلکہ وہ حتی خواہشات کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ بھی وہ حتی خواہشات
دلوں کی باتیں سنتا تھا۔ ظلم اور زیادتی پر اسے غصہ آتا تھا۔ وہ تمام کوائف لے کر انجمنی
کے سپرد کر دیتا۔ ان کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں وہ فیصلہ کرتا کہ کیس بہتر ہے یا
نہیں۔ ظالموں میں سے بعض تو ایسے نکلتے تھے جنہیں وہ بلا مشورہ بھی چھوڑ کر سکتا تھا لیکن
بہرہ سوجنا کہ کاروبار آخر کار دھاری ہے۔

اس کے بعد زمین اور اولاد کی خواہش کثرت سے کی جاتی تھی۔ ذرا دن اور زمین
تو خیر انسان کے اتر سے نژادی مسائل ہیں لیکن اولاد بھی انسان کی بہت بڑی خواہشات
میں سے تھی۔ ہر لوگ صحت کی..... یعنی شفا کی خواہش لے کر بھی اس کے پاس
آتے تھے۔

غرض وہ خواہشوں کا بازار لگائے بیٹھا تھا اور انسانی باطن اس کے سامنے آکر حوایاں
ہو جاتا تھا۔ حوالے ہی حوسے میں انسانی نفسیات کے ایسے ایسے پہلو اس کے سامنے آتے
تھے کہ وہ انسانی نفسیات پر کتب لکھ دیتا تو تسلسلہ بچ جاتا۔

بلکہ بھی ہو اس کا کاروبار بہت اچھا جا رہا تھا لیکن وہ خوش اور مطمئن نہیں تھا۔
اب جبکہ اس کے پاس رہنے کو بہت خوبصورت جگہ تھا۔ ہر طرح کے ملازم موجود تھے۔
ہر طرح کی آسائش اور آرام تھا لیکن وہ خود کو بہت زیادہ تنہا محسوس کرتا تھا۔ زندگی
صرف کاروبار اور پیسے تک محدود ہو گئی تھی۔ وہ انسانی جذباتوں سے محروم ایک مشین بن
گیا تھا۔

اس روز اسے خیال آیا کہ خواہشات کے اگلے مرحلے میں سے وہ بہت تیزی سے فرج
کر رہا ہے۔ اس نے تو حساب بھی نہیں رکھا۔ یوں تو اسے معلوم ہی نہیں ہو سکے گا کہ
اس کے اگلے مرحلے کی کیا پوری ہے۔ اس کے لیے اسے دیوی کو طلب کرنا تھا۔

اس نے تین بار کل بجائی اور دو منٹ کے انتظار کے بعد ہاتھ روم میں تھس گیا۔
وہ جانتا تھا کہ وہ دیر لگنے کی انتظار کرائے گی اور پھر ہجوم ٹریفک کا خطرہ پیش کرے گی۔
لہذا کیوں نہ وہ اسے انتظار کرائے۔ وہ ہاتھ روم میں نہایت اطمینان سے نہانے میں

خواہش کار پر ریشٹن کا اشتہار اب ہفتہ وار شائع ہو رہا تھا۔ فن کار کا یہ مل تھا کہ
تینتا بہرہ حار تھا۔ یہ الگ بات کہ ملاقات کے سرے تک کم ہی لوگ پہنچتے تھے۔ ذہین
اختر خوش تھا۔ زیادہ تر لوگوں کا مسئلہ وہی تھا جو اس کا تھا۔ یعنی دولت۔ میں ذہین اختر
خود پر فخر کرتا تھا کہ اس نے خوش قسمتی کے زور پر نہیں بلکہ اپنی ذہانت سے دولت کمال
تھی۔ خوش قسمتی کو تو اس نے کھل سارے کے طور پر استعمال کیا تھا۔

وہ اس دور ان مادیات کا جائزہ دیتا رہا تھا۔ دولت کے بعد جس چیز کی سب سے
زیادہ خواہش کی جا رہی تھی وہ محبت یا ہوس تھی۔ ذہین اختر اس پر حیران تھا۔ محبت تو
ایسی چیز تھی جسے آدمی نرمی اور محبت کے زور پر جیت سکتا تھا لیکن وہ یہ رہا تھا کہ لوگ
اسے دوست کے زور پر حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ ان کے پاس محبت کے حصول کی
خواہش کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے پاس بدلے میں دینے کے لیے
محبت نہیں ہے۔ رہی اور مہلتی جیسے جذباتوں سے لوگ محروم ہو چکے تھے۔

بہر سب سے زیادہ لوگ دو سروں کی موت کی خواہش لے کر نکلتے تھے۔ ذہین اختر
کو خوب آنے لگا۔ لگتا تھا ہر شخص کسی نہ کسی کی موت یا تحمل چاہی رہا ہے۔ خواہش
رکھتا ہے۔ کوئی کسی کا کاروبار چاہ کر رہا تھا۔ کوئی کسی کی عزت اور ساکھ ملنا چاہتا تھا
رہتا تھا اور کوئی کسی کی جان لینا چاہتا تھا۔ یعنی روم اور درگزر جیسے جذبے مقتدرہ الخیر
ہونے جا رہے تھے۔ انتقام کی خواہش ان کے نیک جذباتوں کو نکل رہی تھی۔ موت کی
خواہش کرنے والوں سے وہ انکار کر دیتا۔ موت کو اس نے اپنی فرست سے باہری رکھا

مصروف ہو گیا۔

ایک منٹ بعد باہر سے دیوی نے پکارا۔ "میں آگئی ہوں جلدی سے باہر آؤ اور اپنا مشہد بیان کرو۔"

"میں ابھی نہیں آسکتا۔ نماز رہا ہوں۔" اس نے ہاتھ روم سے چٹ کر کہا۔

"میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتی۔"

"انتظار کرو گی تو انتظار کرنا بھی پڑے گا۔"

"میں غرض مند نہیں ہوں۔ غرض مند تم ہو۔"

بات بگٹی تھی۔ ذہین اختر سوچ میں پڑ گیا پھر بھی اس نے دل کڑا کر کے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم میری بات سننے بغیر نہیں جاسکتیں۔"

چند لمبے خاموشی رہی پھر دیوی کی صبرلانی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم باہر آ جاؤ ورنہ میں اندر آ جاؤں گی۔"

"سبح آرموسٹ ویکم۔" ذہین اختر نے اضطراب سے کہا۔

"تم سچ بچ بہت گھٹیا آدمی ہو۔"

وہ سا کر باہر نکلا تو دیوی کو باہر کھڑے ہوئے پایا۔ وہ کسی کمری سوچ میں ڈبلی ہوئی تھی۔ اس کے قدموں کی آہٹ سن کر چوکی۔ اس نے سر اٹھایا اور پوچھا۔ "میں کبھی تھی کہ تم سے میری جاں بھوت لگی ہے۔ اب تمہاری خواہشیں ویسے ہی پوری ہو جاتی ہیں پھر مجھے بلانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اگر یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔" ذہین اختر نے کہا اور وہ واقعی بھول گیا تھا۔ لیکن تمہارے آنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اب بھی بک ہو۔ میں جب بھی طلب کروں گا تمہیں آنا پڑے گا۔"

دیوی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دائروں سے نکلا ہونٹ چباتی رہی پھر اس نے سرو لمبے میں پوچھا۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"معمولی سی بات ہے۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ میری کتنی خواہشیں باقی رہ گئی

ہیں۔"

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔ میں تمہاری اکاؤنٹ نہیں ہوں۔" دیوی نے سرو لمبے میں کہا۔

"یہ میری خواہش ہے۔" ذہین اختر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے اندر بیٹے والی سرخ تکی بتا رہی ہے کہ تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔"

ذہین اختر زحمتی سے مسکراتا رہا۔ "ہو کوئی بات نہیں۔ میرے پاس اس کا حل موجود ہے۔" اس نے ہنسنے لگا پھر پوچھا۔ "میری خواہش ہے کہ میری مزید پانچ ہزار خواہشیں پوری کی جائیں۔"

دیوی آگ بگولا ہو گئی۔ "ذہین اختر اب میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں۔ غلط رہنا۔ اس لمحے سے میں تمہارے خلاف ایک ایک جنگ کا آغاز کر رہی ہوں جو تمہیں تباہ کر دے گی۔" اس نے سرو لمبے میں کہا۔ "یہ۔ کہنا کہ میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا۔"

"پہلے مجھے یہ فائدہ کہ میرے اکاؤنٹ میں پانچ ہزار خواہشیں جمع ہو گئیں یا نہیں۔" وہ جمع ہو چکی۔ اب میں جا رہی ہوں۔"

دیوی کے مات ہوئے کے بعد ذہین اختر بہت دیر تک سوچتا رہا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ دیوی کا اس بار کا چیلنج عجیب و غریب تھا۔ اسے خود کو انجانے مسائل کے لیے تیار کرنا ہو گا لیکن مسئلہ یہ تھا۔ اسے مسائل کی نوعیت کا اندازہ نہیں تھا۔ اندر رہا وہ بھی نہیں سکتا تھا۔

اس نے بے پروائی سے کہہ دیا۔ "جو ہو گا دیکھ جائے گا۔"

○ ----- ○

روبین نے دیکھ کر اٹھایا۔ "خواہش کارپوریشن۔"

"جی میں عاشق حسین ہوں رہا ہوں۔"

اس کی ذاتی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ دنیا میں کیسے کیسے لوگ ہیں۔ شیطان سے بھی آگے اور فرشتوں سے بھی پیچھے۔ عاشق حسین کے اعتبار سے اس کے دل کو چھو لیا تھا۔
روینہ نے اسے چمکایا۔ اس نے پیڑ ذہین اختر کے سامنے رکھ دیا۔ ذہین اختر نے پیڑ پر لکھے ہوئے کوائف پڑھے تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "سمت خوب۔" اس نے کہا۔ "یہ کام تو ہاتھ کے ہاتھ ہو جائے گا۔"

روینہ اسے بتانے لگی کہ درحقیقت شہباز علی کارپوریشن کا پہلا کلائنٹ تھا۔ پہلا فون اسی نے کیا تھا۔ ذہین اختر نے پیڑ سے نظریں اٹھائیں تو خود کو روینہ کی آنکھوں میں دیکھتے پایا۔ وہ اسے کنگل ہانڈ سے دیکھ رہی تھی لیکن اس کی نظریں اٹھیں تو وہ بری طرح گڑبڑا گئی اور اس کی نظریں بے ساختہ جھک گئیں۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ کیا کہہ رہی تھی جیسے تیسے اس نے اپنی بات مکمل کی اور چل گئی۔

ذہین اختر نے خیال انداز میں ورداؤے کو نکال دیا۔ کچھ عرصے سے وہ خود میں تہہ ملی محسوس کر رہا تھا۔ یہ بات تو اس نے ابتدا ہی میں سمجھ لی تھی کہ اس نے روینہ کو عاتقہ سے مشابہت کی بنا پر منتخب کیا ہے لیکن اب وہ اس میں بے پناہ کشش محسوس کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں بھی خود کو ٹھوکانا ضروری تھا۔

کیا اسے روینہ سے محبت ہو گئی ہے؟ اس سوال کا جواب ٹلی میں تھا۔ کیا وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ اس کا جواب بھی ٹلی میں تھا تو کیا یہ نسلی قرب فطری ضرورت کی وجہ سے ہے؟ اسے دل بنگل کے لیے کوئی کھلونا چاہیے؟ اس کا جواب اثبات میں تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ضمیر نے غامت شروع کر دی۔ وہ جانتا تھا کہ روینہ بے حد شریف اور مجبور لڑکی ہے۔ مجبور اس اعتبار سے کہ اسے ملازمت کی ضرورت ہے۔ اسے اس کے تمام حالات کا علم تھا۔ وہ نارمل انداز میں پیش قدمی کرتا تو وہ بھڑک کر بھاگ پکڑی ہوتی۔ پھر انسانوں کے اس جنگل میں انسانی مجبوریوں سے اس کا پتا چل گیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ یہ زیادتی نہیں کر سکتا تھا۔

اس ایک خیال نے اسے چمکایا۔ وہ روینہ کی خواہش بھی تو کر سکتا ہے۔ اس

طرح کچھ بھی نہیں ہو گا۔ روینہ بھڑکے گی بھی نہیں اور اس کی دل بنگل کا مسئلہ بھی ہو جائے گا۔ اس خیال کے ساتھ ضمیر کا ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر لگا۔ دنیا میں لڑکیوں کی کوئی کی تو نہیں کہ دل بنگل اتنا بڑا مسئلہ بن جائے اور اس کے لیے ایک پاکیزہ لڑکی کو خراب کیا جائے۔ وہ خود خراب ہونا چاہتا ہے تو اس کی مرضی لیکن اسے دوسروں کو خراب کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اس بحث سے کچھ اور ہوا یا نہیں اس کی تخیل کا مسئلہ ضرور حل ہو گیا۔ وہ حیران تھا کہ اس نے خواہش کا یہ استعمال پہلے کیوں نہیں سہا۔

☆-----○-----☆

"تم کسی خاص لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" ذہین اختر نے سامنے بیٹھے ہوئے شہباز علی سے پوچھا۔

"سر، میں بس اس میں ایک ہی خاص بات دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے پاس دولت ہو اور وہ اسے میرے ساتھ شیئر بھی کرے۔"

ذہین اختر نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ اسے اپنے ہی قبیل کا بندہ لگا۔ "خود وہ کتنی ہی بد صورت ہو؟"

"میں دولت کے حسن سے خوب واقف ہوں۔"

ذہین اختر اس جواب پر ہنرک اٹھا لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا۔ "اور اگر لڑکی خوب صورت بھی ہو تو؟"

"سمان اللہ سر۔ یہ تو سونے پر سلاگے دلی بات ہوئی۔"

"لیکن خوب صورتی کے باوجود اس میں کوئی پیدائشی عیب ہو مثلاً وہ اندھی ہو۔"

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا سر۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کی کوئی پردا نہیں کرو گے۔ اس کی دل بنگل کی فکر نہیں کرو گے اسے وقت نہیں دو گے۔"

شہباز علی بری طرح ہنکھار گیا۔ "نہیں سر ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اس کا ہر طرح

سے خیال رکھوں گا۔"

"اور اس سے محبت نہیں کرو گے؟"

"کیوں نہیں کروں گا سر۔ یہ تو احسان فراموشی ہوگی کہ جس کی وجہ سے سب کچھ

مے آدمی اس کو نظر انداز کرے۔"

"تم کچھ بھی کو یقین ہو گا مکی۔"

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں سر۔"

"مجھے نہیں خود کو یقین دلاؤ۔" وہیں ختر نے سر دھبے میں ہات کٹ دی۔ "میں

تھماری شادی کر رہا ہوں لیکن یاد رکھنا کہ پوری زندگی میں اگر اس لڑکی کو تم سے ایک بار

بھی کوئی تکلیف پہنچی تو تمہارا استیفاء کر دوں گا۔ میں تمہاری خواہش پوری کر سکتا ہوں

تو تمہیں سزا بھی دلا سکتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں سر۔"

ذہین اختر نے دروازے سے اپنا وریننگ کارڈ اور عاشق حسین کارڈ رنگ کارڈ نکالا اور

اس کی طرف بڑھا دیا۔ "ان صاحب کے پاس چلے جاؤ اسیں میرا کارڈ دکھاؤ۔ سمجھ لو

تمہارا کام ہو گیا۔"

شہباز علی کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ "اور آپ کا معلومہ کتنا ہو گا سر؟

وہ میں شادی کے بعد چیدہ ہاتھ میں آئے پر ہی اسے سکوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میرا مقاصد یہ ہے کہ تم اس لڑکی سے زندگی بھر محبت

کرو۔ اسے خوشیوں دو۔ بس اب جاؤ۔"

شہباز علی رخصت ہو گیا۔ ذہین اختر جانتا تھا کہ اس کی دھمکی بے اثر ثابت نہیں

ہوگی لیکن دو صحت بھی نہیں ہے اور یہ کام وہ پوری دہر داری کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔

زندگی میں پہلی بار کسی نے اس پر اصرار کیا تھا۔ اسے اس پر پورا ترنا تھا۔ اسے

شہباز علی کو اپنی خواہش کے حصار میں قید کرنا تھا۔

ایک مہینے کے اندر ذہین اختر کو اندازہ ہو گیا کہ دینی اس سے کس نوع کی جنگ لڑ

رہی ہے۔ وہ اس کے خلاف اسی کا وسط استعمال کر رہی تھی۔ یعنی خواہش!

ذہین اختر نے اپنے دفتر کو پھیلایا تھا۔ وہاں کھانا پکانے کا اہتمام بھی کر لیا تھا۔ اس

سے ایک طرف تو ہونٹ کے کھانے سے نجات مل گئی تھی دوسرے اشفاق خوش ہو گیا

تھا۔ انہیں ایک مسرت میرا آگئی تھی جو ایک اعتبار سے تنخواہ میں اضافے کے برابر

تھی۔

ایک روز گیارہ بجے ذہین اختر کو کارڈ ور میں اپنا بلورنگ حیدر نظر آیا۔ وہ بے فکری

سے ہاتھ جھڑتے ہوئے جا رہا تھا۔ "کیا بات ہے یوں بے فکر پھر رہے ہو۔ آج کھانا نہیں

کچے گا؟"

"کیوں نہیں صاحب۔ ابھی بہت وقت ہے۔ ایک بجے کھانا تیار ہو گا۔" حیدر نے

جواب دیا۔

ذہین اختر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کوئی دس منٹ بعد حیدر ہاتھ کا پتلا اس کے پاس

آیا۔ "صاحب جی گزب ہو گئی۔ چلو نہیں چل رہا ہے۔" اس نے فریاد کی۔

ذہین اختر کو خند آگئی۔ "تو اس کے لیے میرے پاس کیوں دوڑے آئے ہو۔ گیس

کی پٹائی رک گئی ہوگی۔"

"صرف ہماری گیس بند ہوئی ہے صاحب۔"

"تو کسی گیس کا کام کرنے والے کو بلا کر لاؤ۔"

ایک گھنٹے بعد حیدر دوبارہ آیا۔ "صاحب عجیب معاملہ ہے۔" اس نے کہا۔ "گیس

والے نے پوری رات چیک کریں۔ چو لے چیک کر لیے کیس کوئی رکھوٹ نہیں۔ لائن میں

گیس بھی موجود ہے۔"

"تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ چلو بلاؤ۔"

"میں تو مسئلہ ہے صاحب کہ چلو نہیں چل رہا ہے۔"

"تم کسی انارڈی کو پکڑ لائے ہو گے۔" ذہین اختر نے بے پروائی سے کہا۔

”نہیں صاحب وہ تو خاص۔۔۔۔۔“

”اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی دوسرے آدمی کو لا کر چڑھا چیک کرالو۔“

حمید چلا گیا۔ اس کے بعد ایک ذہین اختر نے دین محمد کو کھانے کا پچھنے کے لیے بھیجا۔ دین محمد نے آکر بتایا کہ کھانا نہیں پکا ہے۔ مگیس جلدی کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ذہین اختر جھنجھلا گیا۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ آخر کھانے کا کچھ تو بندوبست کرو۔“

”کیا کھانا سر؟“ دین محمد نے پوچھا۔

”تمہاری کچھ میں نہیں آتا۔“ ذہین اختر نے بھنا کر کہا۔ ”ہمارے چھوٹے نہیں

جل رہے تو شہر کے سارے ریسٹورنٹ بند ہو گئے ہیں؟“

”ابھی جاتا ہوں سر۔“

ذہین اختر کو امید تھی کہ دین محمد دس چورہ منٹ میں کھانے آئے گا۔ ایک اچھا ریسٹورنٹ قریب ہی تھا جس آدھا گھنٹہ ہو گیا اور وہ نہ آیا تو ذہین کا برا حال ہو گیا۔ اس نے باہر نکل کر روڈینہ سے پوچھا تو پتہ چلا کہ دین محمد نہیں آیا ہے۔ وہ پھر اپنے کمرے میں چلا آیا اور کرسی پر بیٹھ کر پلوہ لے لے لگا۔ اس کی نظریں دیواری گزری ہوئی تھیں۔

دین محمد سوا دو بجے واپس آیا تو خالی ہاتھ تھا۔ ”شہر کے تمام ریسٹورنٹ بند ہیں سر۔“

”کیا کو اس کر رہا ہے؟“ ذہین اختر دہرایا۔

”ٹھیک کہہ رہا ہوں سر۔ بڑے ہوٹن تک کے ریسٹورنٹ بند ہیں۔ میں صبر و

تک ہو آیا کے ہوں۔“ دین محمد نے بے بسی سے کہا۔

ذہین اختر کو یاد تھا کہ گھر سے آتے وقت اس نے کی ریسٹورنٹ کھلے دیکھے تھے۔ دفتر کے قریب ہی جتنے ریسٹورنٹ تھے سب کھلے ہوئے تھے۔ ”صبح میں نے تمام ریسٹورنٹ کھلے دیکھے ہیں۔“ اس نے کہا۔

”وہ تو میں نے بھی دیکھے تھے سر جس اب سب بند ہیں کہتے ہیں ایک بج کر دس

منٹ پر سب بند ہو گئے۔“

”جین کیوں؟“

”وجہ کسی کو بھی نہیں معلوم سر۔“

دین محمد کو کمرے سے نکل کر ذہین اختر کو متاثر رہا۔ یہ ہو گیا رہا ہے آخر۔ مگیس بند ہو گئی تمام ریسٹورنٹ بند ہو گئے۔ بھوک نے اس کی ذہانت کو چھٹ کر دیا تھا۔ پھر بھی یہ بیڑی ہلت تھی کہ وجہ اس کی کچھ میں آگئی۔

اب بھوک مٹانے کی ایک ہی صورت تھی۔ کھانا خریدنے کی بجائے ڈائریکٹ کھانا کھانے کی خواہش کرنا لیکن وہ یہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر اس کے کمرے میں کھانا پھر کسی دلچسپ کے آتا تو اسے جلد کر قرار دے دیا جاتا۔ یہ مناسب نہیں تھا۔

لیکن چورہ منٹ میں اس نے اپنی احتیاط پسندی کو دھکیل دیا۔ ہاں وہ یہ کر سکتا تھا کہ کھانا صرف اپنے لیے طلب کرے۔ ہائی لوگ اپنا مسئلہ آپ سنبھالیں۔ اس نے اپنے لیے کھانے کی خواہش کی۔

بیت کا دوزخ بھرنے کے بعد اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا۔ دیوی کو بلا کر اس سے کھنگرے کا ضروری ہو گیا تھا۔

☆—————○—————☆

دیوی کو اس نے اپنے گھر میں طلب کیا۔ خلاف معمول اس بار دیوی فوراً ہی آ گئی۔ ”کیا حکم ہے میرے آقا؟“ اس نے سر کو خم کرتے ہوئے تسکین لے لے میں کہا۔ ”کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔“

”یہ تم کیا کر رہی ہو میرے ساتھ؟“ ذہین اختر نے سخت لہجے میں کہا۔

”میں نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ اب جنگ شروع ہو رہی ہے۔“ دیوی نے بے حد شرم لہجے میں کہا۔ ”مہر میں تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کر رہی ہوں بس اپنا کام نہایت مستحی سے کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ تمہاری زبان سے کوئی لفظ نکلے تو اسے خواہش کی طرح پورا کروں۔ بلکہ میں تو تمہاری سوچ کو خواہش کا

جنگل ڈالتا تھا۔ پسے جب تکلیف ہوتی تھی اور سہ سے گزرنے لگی تھی تو بے ہوشی اپنی مہربان داسوں میں اسے بھرپتی بھی لیتیں اب ایسا نہیں ہوتا تھا۔

ایک ماہ میں سے اندر نہ ہو گیا کہ یہ اوتے موت کی ادیت سے بڑھ کر ہے۔ اس نے اتنی ادیت نکالی کہ موت کا مفہوم اس کی سمجھ آنے لگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ موت دنیا کی تمام تکلیفوں سے چھٹکارے اور نجات کا نام ہے۔ یہ الگ بات کہ زندگی سے اس کی محبت پھر بھی کم نہیں ہوئی۔

اس نے پھر میں خزانوں کی۔ رابطہ بننے پر اس نے کہا۔ "میں بڑی ادیت میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے تکلیف نہ ہو۔ میں بیماری سے نجات چاہتا ہوں۔"

"دیکھیے میں کوشش..."

"کوشش نہیں اسی وقت خواہش رہا۔" نذر چوہدری نے کہا۔ "میں تمہارے تصور سے بڑھ کر علاوہ دوں گا۔"

رائن پر غصہ مچی پھا گئی۔

-----○-----

اب دفتر میں وہیں اختر نے یہ چوہدری کی مطلقہ خواہش کی۔ اگلے ہی لمحے دیوی اس کے رو بہ رو تھی۔ اس کے ہونٹوں پر حسرت مسکراہٹ تھی۔

"تم؟ میں نے تمہیں دیا تو میں تھا۔" وہیں اختر نے توروں پر جھاتے ہوئے کہا۔ یہ پتا موقع تھا کہ وہ اس کے دفتر میں آئی تھی۔ دین اختر کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

"میں یہ ماننے آئی ہوں کہ یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں؟"

"اس سے نہ سرطان ہو گا تو ادیت بھی ہوگی۔ سرطان بے ہوتے ہوئے ادیت سے تحفظ طلب کرنا غیر معری بات ہے۔" دیوی نے کہا۔

"تو میں سرطان سے شہابی کی خواہش بھی تو کر رہا ہوں۔"

"یہ خواہش بھی پوری نہیں ہو سکتی۔" دیوی مسکرائی۔

"کیوں پوری نہیں ہو سکتی؟"

"اس لیے۔ تم پسے ہی اس سے ہاں خواہش کر چکے ہو۔ یعنی موت کے نکلنے کی خواہش اور وہ خواہش پوری ہو چکی ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" دین اختر نے اعتراض کیا۔

"فرق یہ پڑتا ہے کہ تمہاری یہ خواہش پوری ہوتے ہی یہ باب عمل ہو گیا۔ یہ اس سلسلے کی آخری خواہش ہے۔ اب اس سلسلے میں کوئی خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ جس شخص نے نہ مرنے کی خواہش کر لی اسے نہ مرنا سے شغلاں سکتی ہے۔ ادیت سے نجات کا راستہ تو اس نے خود بند کر دیا۔"

دین اختر کے قسم میں قہر قہری دوڑ گئی۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس سے کچھ بڑا میں کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ خواہش خود اس نے کی ہوتی تو اس کا کیا حشر ہوتا۔ یہ سوچ رہا تھا کہ کپ کر رہ گیا۔ خواہش پوری ہو۔ کی طاقت اتنا بڑا عذاب بھی ہو سکتی ہے یہ تو اس نے سوجھا بھی نہیں تھا۔

دیوی اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ "سوال یہ ہے کہ اس بد نصیب شخص نے نہ مرنے کی خواہش کی بجائے شہابی کی خواہش کیوں نہ کی؟"

دین اختر کا منہ مل گیا۔ یہ تو اس نے بھی نہیں سوجھا تھا۔ واقعی۔

"اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلوقات میں بد نصبت کی سزا کے طور پر اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی نہیں دی۔" دیوی نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا۔ "اور تم؟" پھر اس نے دین اختر کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے طاقت سے کہا۔ "تم خود باللہ خدا بن بیٹھے اپنے تئیں۔ تم اس کی طاقت سے واقف نہیں تھے؟ تمہاری خواہش پوری ہونے کی عطا اس کی ہے۔ جس کے حکم کے بغیر یہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ جس تک چاہے گا تمہاری رسی کو ڈھیل پھوڑے گا اور جب چاہے گا کھینچ لے گا۔ تمہاری سب چالاکی دھری وہ جائے گی۔"

دیوی اور نسل ہو گئی۔ دین اختر چند منٹ دونوں باتوں میں سر تھاڑے میٹھا رہا۔ پھر

اس نے میز پر رکھا ہوا ریجور اٹھایا اور ہاتھ چس میں کما۔ "ہیلو؟"

"ہاں میں لائن پر موجود ہوں۔" دوسری طرف سے ذریچہ دی۔ کما۔

"سوری سر۔ میں آپ کی مزید مدد نہیں کر سکتا۔" وہیں اترنے سے مرے مرے لیے
میں کما۔ "آپ کو اذیت سے بحث نہیں مل سکتی۔ بلکہ مجھے اذیت ہے کہ وقت کے ساتھ
ساتھ اس میں صاف بھی ہوتا رہ گا۔ میں بہت حد حدت خواہ ہوں جناب۔"

دوسری طرف چند لمبے خاموشی رہی۔ ذریچہ چوہدری بھی کانپ رہا تھا پھر اس
نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"آپ مدد کچھ رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ کھانا۔ میں چاہتا ہوں میں آپ
کی مدد نہیں کر سکتا۔"

"میں مدد مانگا معاوضہ۔"

"خدا کی قسم چوہدری صاحب یہ بات تو میں معاوضے سے بغیر کیا میں یہ قسم
نہیں ہے۔"

"تو پھر میرا کیا ہو گا؟" ذریچہ چوہدری بڑبڑاتا۔

"یہ تصویر میرے لیے روح فرما ہے چوہدری صاحب۔"

"تو پھر خدا سے ہے میرا ایک اور نام۔" ذریچہ چوہدری اب فوراً پر اتر اڑا
تھا۔ "تم میرے لیے موت کی خواہش ہی کر دو۔"

وہیں اترے۔ گھر میں ماسی۔ "چوہدری صاحب! خدا کو ادا کہ میں جو کچھ کہہ رہا
ہوں جو کچھ کہہ رہا ہوں پوری پہچان سے کہہ رہا ہوں۔ میں۔ خدا یا تھا کہ میں کسی کسی
کی موت کی خواہش نہیں کروں گا میں آپ کا معاوضہ مختلف ہے۔ اگر یہ قسم ہو تو میں
اپنا یہ اصول توڑتا نہیں مجھ پر پابندی ہے اپنی کسی خواہش کو پورا ہونے کے بعد۔ میں
کر سکتا۔"

ذریچہ چوہدری دردناک آواز میں رونے لگا۔ "اب میں کیا کروں؟"

وہیں اترتے تھری سے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیوی کی باتیں اسے یاد آ

رہی تھیں اور بہت کچھ کچھ میں آ رہا تھا۔ آخر کار اس نے ہاتھ چس میں کما۔ "چوہدری
صاحب پلیز۔۔۔ پلیز میری بات خود سے سنیں۔"

دوسری طرف ذریچہ چوہدری رونے جا رہا تھا۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"چوہدری صاحب پلیز۔"

لیکن ذریچہ چوہدری اپنے آپ میں نہیں تھا۔

آخر وہیں اتر کر کہے رکھی آزمائش پڑی۔ "چوہدری صاحب! اگر آپ نہیں سنا
چاہتے تو میں ریجور رکھ رہا ہوں۔"

ذریچہ چوہدری نے حوا پر قابو پانے کی کوشش کی۔ "نہیں۔ خدا کے
لیے۔۔۔ ایمان نہ کرنا۔" اس نے ہچکیوں کے دو میان کما۔

"تو بیٹے اگرچہ میں آپ کی مدد میں کر سکتا لیکن آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں۔ جو
میرے خیال میں آپ کے مسئلے کا واحد حل ہے۔ آپ سنا رہے ہیں؟"

ذریچہ چوہدری کی ہچکیاں ختم ہو گئی تھیں۔ "میں سنا رہا ہوں بیٹے۔" اس نے نجف
آواز میں کما۔

"آپ کثرت سے استغفار کریں۔ اللہ سے توبہ کریں اور سنیں۔ آج کل یہاں
سے لوگ بکثرت آ رہے ہیں۔ آپ جتنے لوگوں سے کہہ سکیں دعا کے لیے
کیں۔ وہاں کی دعا فوراً ہی قبول ہو جاتی ہے۔ اتنے بہت سے لوگ دعا کریں گے تو انشاء
اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔" وہیں اتر کتے بیٹے رکا۔ "میرے خیال میں یہ فیصلہ کرنا آپ
کے لیے دشوار نہیں کہ آپ کو کیا دعا کرنی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ تمہارا شکریہ بیٹے۔"

"میں آپ سے بڑے حد شرمندہ ہوں چوہدری صاحب۔"

"تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں بیٹے۔ خدا حافظ۔"

ریجور رکھ کر بعد میں ذریچہ دو دو ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا رہا۔

ایسے حوالہ دہاؤ کا سامنا تو دین اخترے کڑے وقت میں بھی نہیں کیا تھا جبکہ یہ تو اس کا اچھا وقت تھا۔ پہلی بار اسے اندازہ ہوا کہ اپنی زبان پر کچھ رکھنا مشکل کام ہے۔ تمام تر احتیاط کے باوجود وہاں سے کوئی بات نکل ہی جاتی اور اسے بھگتنا پڑتا۔ سوچ والا معاذ تو فائنل دور سے مدد الیم تاک تھا لیکن اسے محسوس ہوتا تھا کہ سوچ دے سناٹ میں اس کے ساتھ قدرے نرمی ہوتی جا رہی ہے۔

دو ماہ سے دربار کا مشرّف ہو گیا۔ وہ بہت کم سخن ہو گیا۔ کم سخن لیا، حقیقت وہ اپنے لئے سے اڑنے لگا تھا۔ اب یہ وہ بات کہ جو سے بغیر گزارا بھی نہیں۔ اس کے ساتھ عجیب عجیب واقعات ہوئے۔ ایک بار کسی سے دوں پر سے سسکی جڑ خیر متلی تو اس نے بے ساختہ کہا۔ یہ کیا خبر سنا دی۔ اب میں رات بھر سو نہیں سکوں گا۔ یہ کہنا غضب ہو گیا۔ اس کی دماغی رستہ کنڈنٹس بدلتے گزری۔ غیہ کی بردوا ہے اثر ہو گئی بلکہ اتنا اسے نقصان ہی ہو اؤ گا۔ صبح ہوتے ہوتے ایک اور خیال نے اسے دھما دھا۔ اس نے سوچا کہ میرے سر سے یہ منہ اٹکا ہوا تاکہ ب میں جانے جتنی راتیں سو نہیں سکوں گا یا اب میں مگر سو نہیں سکوں گا تو میرا کیا مشرّف ہوتا۔ اس تصور سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے یونانہ صابن کے تحت وہ اپنی کی ہولی ڈراماں کو راسخ کر سکتا تھا۔ یہی وہ اپنے بے غیہ کی خواہش کرتا تو وہ بے کار ہوتی۔

وہ اپنی مریضیں میں سر رہ گیا۔ مصاب رو رہ گیا۔ اس کی اس توجہ اور دوسروں سے بھی محسوس کر یا۔ اسے غیہ صیب سے نہیں آتی تھی کچھ کہتے کہتے وہ رل جاتا اور اس حتی سے سمجھ جاتا۔ اس کی صحت متاثر ہو گئی۔ آنکھوں کے پچھلے پڑ گئے۔ وہ چڑچڑا بھی ہو گیا۔

پھر یہ اس کے شکستہ المصاب پہ ایبہ دور م پنا۔ روینہ۔ اسے بتایا کہ اس کی خواہش دے احسان علی فون نے اس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس خبر کو، تو کہ انہی مال علی سے پہلی طاقت و تقریر ساڑھے نو ماہ ہو چکے ہیں۔

چنانچہ اس سے ملیب نید۔ بعد چلک۔ "مال صاحب یا میں مبارک

پیش کروں؟"

"ضرور کہیں نہیں۔" دوسری طرف سے سینٹہ احسان نے کہا لیکن اس کی آواز بھی بھی سی تھی۔

"بیٹا ہوا ہے یا بیٹی؟"

"بیٹا ہوا ہے زمین صاحب۔"

"تب تو مصلیٰ۔۔۔۔۔"

"مصلیٰ میں انشاء اللہ خود سے ر حاضر ہوں گا۔" سینٹہ احسان نے کہا۔ "لیکن میں

آپ کو ایک اور بات بتانا چاہتا ہوں۔"

"کی فرمائیے۔"

"میرے بیٹے کے ہاتھ پاؤں مزے ہوئے ہیں۔ انکڑوں کا کٹنا ہے کہ وہ مصلیٰ اور

ناہت سے بھی محروم ہے اور ساری زندگی بول بھی نہیں سکے گا۔"

دیں اختر کنگ ہو کر رہ گیا۔ شاک پیدا شدہ تھا کہ اسے اپنا پورا جسم من ہون

محسوس ہوا۔ اس پر ہر تک حاشوش رہی۔ پھر دین اختر نے بہت بہت کر کے بڑی مشکل

سے کہا۔ "میں آپ کو بتا سیں سکتا اسل صاحب کہ مجھے کس قدر افسوس۔۔۔۔۔"

"سین امین صاحب حوشی کے موقع پر اظہار افسوس نہیں کرتے۔ ہوں تو آپ

میری دل آزادی کریں گے۔"

"احسان صاحب میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔"

"آپ کیا تصور ہے امین صاحب خدا را یہ نہ سمجھیں کہ مجھے آپ سے کوئی شکایت

ہے۔ میں تو آپ کا مال مند ہوں اور میرے بچہ میرے بہت مبارک ہے۔ اس کی

وجہ سے میرے رشتوں کے آجے میں اب اصل چہرہ کچھ بیا اور مجھے خود کو درست کر۔ کا

موقع مل گیا۔"

دین اختر نے سمجھ لیا جو محسوس کر رہا تھا۔ اس نے احسان علی کے صاحب اولاد

دے کی خوشی سے خوش ہوا۔ لیکن اسے وہ اس دھڑلے سے کہ اس کو یہ

میں ایک سنگڑ ہوا، اندھا کوٹھ ہوا۔ وہ اس کی حلقی کر سکتا تھا۔ "احسن علی صاحب آپ ہے فکر رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درجہ صحت مند ہے۔"

"میں آجین صاحب اس کی ضرورت نہیں۔"

"میں نیا معاہدہ نہیں ہوں گا۔ کہ شہید معاہدے میں ہی۔"

"آپ کیسی گھٹیا باتیں کر رہے ہیں اس صاحب۔" احسن علی کے بچے میں درشتی آگئی۔ "آپ میری بات پوری توجہ سے سنیں۔ ممکن ہے میرا کوئی لفظ آپ کے باطن میں انقلاب کا باعث بن جائے۔ جیسے اس بچے نے میرے لیے اپنی اصلاح کا موقع فراہم کیا ہے۔ میں صاحب نام دلوں میں پوری پٹائی لیت نہیں رکھتے تھے لیکن ہم نے پیسے کے سمندر میں دولت کو پہنچایا۔ آپ سے مدد لی۔ اللہ جانتا کہ ہم نے کیا کیا ہے کہ اس سے ہم جیسے مظلوم گمراہوں کو بھی سچے اور سچے غلط نہیں ہو گیا۔ اس نے ہماری غلطی بھولی میں دھکا ہوتی ڈال دیا۔ ورنہ آپ کی طاقت نہیں تھی کہ ہماری خواہش پوری کر سکتے اور اللہ تعالیٰ سے یار ہے کہ اس نے وہ اس بھی پوری کر دی جو ہم نے اس سے نہیں مانگی۔ آپ سے شکایت تھی۔ احسن علی کی آواز بھرا گئی۔ وہ متحیر رہا تھا۔ "آجین صاحب یہ ہمارے لیے اللہ کی طرف سے دیا گیا سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ وہ معذور ہے تو کیا ہوا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم تو اس سے محبت نہیں کرتے۔ ہمیں تو ہمارے مقدور سے ہماری طلب سے اس کا معاملہ ہے۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتا کہ مجھے اور میری بیوی کو اس سے کیسی محبت ہوئی ہے۔ وہ کوئی سے پالتو ہیں۔ ہمارا حوالہ ہے۔ ہماری اپنی اولاد ہے۔ ہم زندگی بھر اللہ کے اس تحفے کی خدمت کریں گے۔ ہم آپ کوئی آرزو نہیں کریں گے اس لیے کہ اب ہم مرتے ہم تک اللہ کی اس عنایت پر اس کا شکر ادا کرتے رہیں تو بھی حق اس کے پاس رہتا ہے۔ ہمیں اب اور ہاتھ نہیں چاہیے۔ اچھا میں صاحب کل منجلی لے کر حاضر ہوں گا۔"

دیسپوٹر رکھنے کے بعد آجین اختر درجہ تک منجلیوں میں گھومنا رہا۔ اس رات اس سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ اسے ایوی پر غصہ رہا تھا۔ یہ سڑی اس کی پھیلائی ہوئی تھی۔



وہ خواہش کارپوریشن کے قیام کی پہلی سالگرہ تھی۔ یہ طے پایا تھا کہ شام کو سالگرہ کا ایک کانٹے کے بعد وہ سب لوگ دفتر میں ہی رہیں گے۔ ان کے خصوصی بونس کی ادائیگی کی جائے گی اور پھر رات کا کھانا ساتھ ساتھ کے بعد وہ لوگ گھر واپس جائیں گے۔ اگلے روز چھٹی ہوگی۔

سب لوگ بہت خوش تھے۔ بونس کا خیال ہے کہ خوش کن تھا۔ سب اس اوجیز میں میں تھے کہ کون سی دو خواہشیں کریں۔

سالگرہ کا ایک دن اختر نے کانٹا اس کے فوراً بعد اس کی پدایت کے مطابق سب لوگوں نے اپنی اپنی خواہشیں یہ لکھ کر اپنے دفتر میں بند کیں اور لفافے اسے سب دے دیے۔ ایک سے مت کر دیں اور وہ بے لفافے سمیٹے اور اس میں سے کراپے کمرے میں چلا گیا۔

وہ ایک ایک کر کے لفافے کھولتا گیا اور بیاں کردہ خواہشوں کے پوری ہونے کی خواہش کرتا تھا۔ درباری عمر، محبت، جاگد، منہا، محبت، اداوار۔ ایک لفافہ کھول کر وہ غصہ کیا۔ وہ ایک بالکل مختلف خواہش تھی۔ سر میری خواہش ہے کہ جب بھی میں چاہوں، میری دو خواہشیں پوری ہو جائیں۔ اس سے پیچھے نہ دیکھا۔ روینہ۔ اس نے یہ خواہش بھی پوری کرنے کی خواہش کر دی۔

اس کا نام سن کر وہ ہر آکھیا۔ ہر خوشیوں سے دھنسنے والے بچے نے چروں کا جوہر تھا۔ آنکھوں میں حید کی چمک اور ہوس پر زندگی سے چھلکتی مسکراہٹیں تھیں۔ "کیپٹن دشا، آپ کی ایک خواہش تو فوری طور پر پوری ہو گئی نا؟" اس نے ان کے منہ سے پوچھا۔

"نئی مار کتاب۔" کیپٹن دشا نے جواب دیا۔

"تو یہی ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔ اپنے ساتھیوں و بتائیں تاکہ یہ زیادہ مطمئن ہو جائیں۔ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ کیسے یہ فراڈ تو نہیں۔"

دوش کے چہرے سے پستے ہی سب رنگ چمک اُڑا دیے۔ "اس کی ضرورت نہیں مگر ہمیں پہلے ہی سے یقین ہے۔"

پھر صی دیں اخترے دیکھا کہ ساتھیوں میں ایک کی خواہش پوری ہونے کی حرص کرچہوں پر خوشی کی دھمک آنکھوں میں امید کی چمک اور ہونٹوں پر موجود مسکراہٹوں سے چمکتی زندگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اس نے غافل ہرچہ پر شکر یہ دہارتے ہوئے تقریب کے ختم ہونے کا اعلان کیا۔
"کل آپ دیکھ چکی تھیں ان شاء اللہ ہر سو طاقت ہوگی۔"

☆-----○-----☆

دو روزہ اس رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔ تقریب کے دوران جس نوگوں نے اپنی خواہشات کے بارے میں یقین کا اعلان کیا تھا وہ ان میں شامل نہیں تھی۔ ایک تو یہ کہ اس کی خواہش مختلف تھی۔ وہ اپنی خواہش کسی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔ ہمیں اختر بھی نہیں۔ دوسرے وہ محسوس کرنا چاہتی تھی کہ یہ طاقت ملنے پر آدمی کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ اس لیے اس نے خواہش کی تھی کہ وہ آئے اور براہ راست اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع ملے اور پہلے سے ہاتھ آئے کے بعد میں اختر سے بھی تجا نکاواں سے۔ ایک تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے یہ طاقت مل چکی ہے۔

درمیان میں دو روزہ کو وہ خواہشوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی تو بس ایک ہی خواہش تھی۔ یہ خدا سے زندگی میں کوئی طلب نہ رہتی۔ گھر آکر اپنے بند کمرے میں پہلے سے دروازہ بند کر کے۔ حضور پر غصے سے گرا کر کہے کہ جملہ لفظوں میں یہ طلب۔ اور یہ تھا اور اپنی خواہش کی تکمیل کی دعا کی تھی۔ خواہش کا اعلان۔ یہ وہ تھا کہ وہ خود شروع ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ٹھیک سے سو بھی نہ سکی۔

وہ باقی کا اعلان اس سے۔ درحقیقت وہ نہیں۔ رمضان مطلق رہنے کی

کی حیثیت سے بچ بچتی تھی۔ بہت آسان تھا کہ وہ اپنی خواہش کی فوری تکمیل کی خواہش کر لے لیکن وہ عورت تھی۔ خالص عورت جو بہت محکمہ اور دور اندیش ہوتی ہے۔ کفایت شعار ہوتی ہے۔ اسے صرف خواہش کے پورا ہونے سے عرش نہیں تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی خواہش بے حد فطرتی انداز میں پوری ہو۔ کوئی یہ نہ محسوس کر سکے کہ یہ کار خواہش کے رد پر ہوا ہے اسے اپنی خواہش پوری کرنا تھی کوئی طاقت کا اعلان تھوڑا ہی کرنا تھا۔

آدمی رات کے بعد سونے کی کوشش میں بستر پر گد نہیں ہدلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ انتظار بہت طویل ہے۔ اس کی خواہش کے مطابق اس کا کام اگلے روز ہونا تھا اور صبح سے وہ انکار شروع ہو کر آدمی رات تک رہتا۔ یہ سبہ حد طویل انتظار تھا۔ جیسے جیسے صبح آتی تھی۔ وہ اٹھی اور ناشتا کرنے میں مصروف ہو گئی مگر اس کا کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔

☆-----○-----☆

دیں اختر اس رات خواب معمول بہت اچھی اس کی گہری نیند آئی۔ صبح وہ بہت دیر سے جاگ۔ دھوپ سے جھک شروع ہوئے۔ وہ سب تک اسے اتنی اچھی نیند نہیں آئی تھی۔ مادی طور پر اس نے اس مسئلہ میں غور کیا۔ اس کی سمجھ میں یہی بات آئی کہ اس کا سبب وہ طبیعت تھی جو اسے گذشتہ روز حاصل ہوئی تھی اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس نے رب کی ممانعت میں بغیر کسی عرض کے دوسروں کو نصیحت کرنا شروع کر دی تھی۔

پھر روم میں اسے ایک اور خیال آیا۔ شاید ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس رات اس نے اپنی خیالی زندگی کا مشق نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ احساس بھی ہوا کہ وہ بے حد غیر فطری زندگی گزار رہا ہے۔ شاید اس سے لیے کوئی مسئلہ نہیں پھر بھی وہ شادی کر کے خدائی کا مستقل رہا ہے۔ اس سے بچتا ہے

لیکن وہ شادی کیسے کرے؟ شادی تو ایک فطری چیز ہے اور وہ خدا سے شادی

کرے تو اس کے لیے اسے غیر فطری طریقے اختیار کرنا ہوں گے۔ بالمشابہ خواہش کرتی ہوگی اور وہ اس بات کا علم کر چکا تھا کہ ایسا نہیں کرے گا۔

مگر وہ کسی اور سے بھی تو شادی کر سکتا ہے۔ اس کے دس میں یہ خیال آیا کہ ہے؟ لیکن میں اس سوال نے سر اٹھا تو دس سے بے ساختہ جواب دیا۔ روینہ ہے۔ وہ بڑی طرح بدگام۔ اس سے شکار بد کیا اور تو مجھے سے جسم پر تجھے لگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دماغ اچھا۔ کیوں نہیں ہو سکتا۔ دل سے کہا۔ یہ شادی خواہش کے زور پر نہیں ہوگی۔ شریاء کی طرح تم رویہ کے کھ ہا قاعدہ رشتہ مانگنے کے لیے حاد کے لیکن کیا ضروری ہے کہ رشتہ طے ہو جائے؟ کون جانے روینہ کسی طور کو پسند کرتی ہو!

وہ کہہ پڑا۔ ناشتہ نہ پیرا۔ نہ کیا ہو تو رویہ خود اس رشتے سے نکال دے گی۔ سب سے جواب دیا۔ تب تو ولی اور لڑائی اچھے ہیں۔

ناشتہ۔ بعد بھی وہ اسی مسئلے پر غور رہا۔ اسے فکر تھی تو صرف اس بات کی کہ روینہ شاید سے پسند نہیں کرتی۔ محض ہے وہ کسی دور سے محبت کرتی ہو۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ خواہش پوری ہونے کی حالت نے اسے متصل بھی پہنچایا ہے۔ اسے اسباب سے غصہ نہیں رہی۔ لہذا وہ انہیں سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ وہ جو اسباب کو سمجھنے والا تھا۔ اسباب سے دور ہو گیا تھا۔ اسے سامنے کے لوگ اور سامنے کے لوگوں کے بعد بظن نہیں آتے تھے۔ وہ رویہ کو دیکھ کر بھی اکیس نہیں سکا تھا۔

پورے دس وہ اسی الجھن میں گرفتار رہا لیکن دس کی خواہش بہت مضبوط تھی۔ آخر کار دل جیت گیا۔ وہ گھر سے نکل آیا۔

☆-----○-----☆

شام چھ بجے دروازے پر وہ دستک ہوئی جس کا رویہ پورے دس انتظار کرتی رہی تھی۔ نیکس رات کی طرف جاتے ہوئے جس اسے یہ یقین نہیں تھا کہ یہ وہی ہوگا۔ یہی وہی تھی۔ رات کو صبح ہی وہ نہت ہوئی۔ "پاپ" سر آپ۔ "دوسریں؟" "اس نے ہرگز اور نہ آویا۔" کیا مجھے انداز ہے کہ کوئی کوئی؟

ذہن کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا دیکھ کر رویہ کو احساس ہوئے لگا کہ اس کی خواہش پوری ہو گئی۔ "کیوں نہیں آئیے گا۔" اس نے اور وہ پوری طرح کھوس دیا پھر وہ اسے کمرے میں لے گئی۔ "ابلیس کیسے تو کوں آیا ہے۔" اس سے کہا۔ "ہمیں ان کے دفتر میں کام کرتی ہوں۔ یہ بہت اچھے انسان ہیں۔"

اس کی اماں اور ابا جیسے اس میں تھے۔ روینہ نے کئی بار اس کا ذکر کیا تھا لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ بھی ان کے گھر بھی آئے گا۔

دس نے مٹھائی کا ڈبا رویہ سے ابا کی طرف بڑھایا۔ وہ بے چارہ دس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

اتنی دیر میں رویہ سے تھا چوٹ کر یک کر اس کے لیے صاف کر دی۔ "آپ پیسے تو۔"

"میں یہاں بیٹھوں گا۔ نہ تو۔ ادا ہے پاس۔" دس نے اختر کر سی تھا کر س کے معذور باپ ن چارپائی کے پاس لے آیا۔ "اور سنا ہے کیسی صحبت ہے آپ کی؟" "معدوری کے علاوہ تو بالکل غیب ہوں اور یہ قدرتی مرضی ہے۔" رویہ نے باپ لے کہا۔

اس لوگوں سے درمیان رسمی گفتگو اور ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر رویہ سے کہا۔ "میں آپ کے لیے چائے بنا رہی ہوں۔"

"چائے تو میں ضرور پیوں گا۔ اب میں خراہٹا ہے بات کر رہا تھا۔ رویہ چائے کے لیے تھک کر چائے کی تو باپ سے مٹھائی کا ڈبا بھی اسے لے آیا۔

اس کے چائے کے بعد دس اختر سے ملے۔ "جناب میں آپ کے پاس ایک غرض سے آیا ہوں۔ دیا میں ایسا نہ ہوتا تو میرے والدین آتے۔ میں روینہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

رویہ کے ہاں باپ گنگ ہو رہے تھے۔ اس کے لیے تو اس کی آمد ہی دھماکا جی تھی۔ اس نے یہ آیت اور دھماکا۔ دوسرے کھولے سے دیکھتے رہے۔ کوئی جواب نہ دے

سے

میں نہ کو کھراہٹ ہوے گی۔ کیا یہ نوک انکار نہیں ہے۔ "دیکھیں میں آپ کو یقین دہانا ہوں کہ روینہ کو بیشہ خوش رکھوں گا اور آپ لوگوں کو وادہیں کا مقام دوں گا۔"

"نیکر بنا۔" فرکار روینہ کی ماں کی خاموشی ٹوٹی۔ "ہم بہت غریب ہو گئے ہیں۔"

"مجھے صرف روینہ چاہیے۔ اللہ داد میرے پاس سب کچھ ہے۔ آپ بس ہیں۔"

دیں۔"

"نیکر بیٹے روینہ سے بھی تو پوچھنا ہوگا۔" روینہ کا باپ بولا۔

"کی بھی پوچھ میں نے اس سے۔" وہیں اختر نے کہا۔ "دیکھیے میں ابھی جواب

دے رہا ہوں گا۔ ہاں روینہ نے سوچنے کی سست مانگی تو یہ اور بات ہے۔"

ملاں بڑی نے یہ دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ پھر روینہ کے معذور باپ

نے سر کو جھٹک لیا۔ ماں اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے کی ٹرے اور مٹھائی کی

پلیٹ لے کر سامنے آئی۔ ایک فلت کی میز پر قریب ٹھہرتے ہوئے اس نے ٹرے پر

رکھ دی پھر مٹھائی کا ایک ٹکڑا اس سے اپنے ہاتھ سے وہیں خیر کے منہ میں ڈالا اور دوسرا

اپنے شوہر کو دیا۔

"کیا کما روینہ نے؟" وہیں اختر نے بے تکلف سے پوچھا۔

"جواب تو تمہیں مل چکا ہے بیٹے۔" روینہ کی ماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

روینہ چائے سے رہیں آئی۔ وہ اب تم سے چودہ کرے گی۔ یہ اس کا جواب ہے اور

میں سے بہت ہاتھ سے تمہیں مٹھائی کھائی۔ یہ دیکھو دونوں کا جواب ہے۔" اس نے اپنے

شوہر کی طرف اشارہ کیا۔

میں خیر ہاں کھیں کھیں۔" اس تو ٹھیک ہے اسی بجے کو بات آئے گی۔"

"اے بیٹے کو؟" روینہ کے باپ کا منہ کھل گیا۔ "آج منگل ہے بیٹے۔"

"آپ کی چیزیں نظر کریں۔ کل کرنل اعظمیہس آئیں گے۔ روینہ نہیں جانتی ہے وہ سب انظار میں دیں گے۔ آپ کو جو خریدی گئی ہو روینہ کو ساتھ لے کر کرنل اعظمیہ کے ساتھ چلی جائے گا۔"

"میں بیٹے"

"جس سے ملے ہو گیا امی۔ اب میں چلتا ہوں۔"

☆-----○-----☆

روینہ کو یقین نہیں تھا کہ اس کی حواش اتنی سہلی اور عزت سے چاری ہو

گئی ہے اور اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ بہت طاقتور ہے۔ اس کے پاس ایک

نوازش کی قوت ہو۔ تھی اور وہ اپنی ہر چیز طلب کر سکتی تھی۔ اس کی جگہ کوئی مر

ہو تا تو فوراً اس سے اشتداد دیتا نہیں وہ عورت تھی جو کفایت شعار ہوئی ہے اس نے

اپنی خواہشوں طاقت کو آواز دقتوں کے لیے سنت کر رکھ دیا۔

لیکا کیا کم تھا کہ اس کے جواب کی تعبیر ملے والی تھی۔

☆-----○-----☆

شادی کے چند روز بعد ہی وہیں اختر کو احساس ہو گیا کہ یہ شادی اس کی زندگی کا

بہت بری فیصلہ ہے۔ روینہ بہت بچی لڑتی تھی۔ سب سے خوش کن بات یہ تھی کہ

وہ اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ لگتا تھا اس کی زندگی کا مقصد ہی سے خوش رہنا

ہے۔ دو سال سے اس کی ہر آواز کا خیال رہتی تھی۔ خود سے بھی کوئی فرمائش

کس کرتی تھی۔ اس سے اسے کوئی بچہ نہیں تھی۔ اس میں خود اس کے لیے کچھ مانا تو

وہ لڑائی کے قصوں غریبی کی یا ضرورت ہے میرے پاس بھی کچھ تو موجود ہے۔

خود اس میں بھی بڑی تبدیلی آئی تھی۔ وہ بے حد نرم مزاج ہو گیا تھا۔ روینہ کے ماں

باپ اس کے ساتھ ہی رہ رہے تھے۔ وہ دور صبح و شام، راتوں کے پاس بیٹھتا ان سے باتیں

کرتا۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا۔ مگر وہی کے لیے ایک گھنٹہ پہلے سے اسے بے

بچی شروع ہو جاتی تھی۔

کچھ دیر بعد روئیدے نما۔ "بس اب میری چھٹیاں ختم۔ میں اپنی جانب پر واز
آنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں تو تمہاری جارہی ہے۔ اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔"

”آپ کو نہیں معلوم کہ مجھے اپنی دہا بھابھ کتنی عزیز ہے۔“

“*Yes*”

"اسی ہے کہ اس کی وجہ سے آپ گھٹے۔"

دیں مگر سے بہت عرصے سے یوں رہا تھا۔ "یعنی تمہاری یہ جالب زیادہ بہتم ہے۔"
تمہیں "خیر نصیحا" تھا۔ امی اور ابا جہاں ہا خیال رکھنا اور ان کی دل جوئی کرتا ہے۔"

"آپ کا حکم مرا آنکھوں پر۔"

”نہیں۔ تمہاری جگہ کسی اور کو دے دوں ہے۔“ دین اختر اب بھی اسے بطور
 دیکھ رہا تھا۔ یہیں یہ فکر رہے۔ وہ وہ عورت سیس کیپس محفوظ ہے۔“

روبیہ: "ایہم تھمنا انھم۔" آپ حلقہ بچھ رہتے ہیں ہیں۔ میرے دہن میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ میں کر دفتر مانا چاہتی تھی تو صرف اس لیے کہ آپ سے تھوڑی دیر کے لیے دور رہنا بھی میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ دوسری بات آج پوری طرح واضح رہی۔ میں نے بھی آپ پر قاضی ہوس کی خواہش نہیں کی۔ اگر کسی آپ نے دوسری شادی کی خواہش کی تو میں آپ سے بے رھوش نہیں ہوں گی۔ میں آپ کو شیر کر سکتی ہوں۔ آپ کی خوشی میری ادنیٰ ترجیح ہے۔ اس مجھے کسی چھوڑیے گا نہیں۔"

ہیں اثر جیت اور ستائش کا جلا جلا کر لے لے دیکھا رہا ہے اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کسی بڑی کوشش کے نتیجے میں تھا۔

وہ میں جانتا تھا۔ اس سے محبت میں رویہ کو احساس جرم ستاتا ہے۔ روینہ سوچتی تھی کہ میں جو ایشیے دور پر اس کو حاصل کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اسے نہیں تھا کہ میں کو کسی سے محبت ہے۔ یہ بات اس کے انداز سے ظاہر ہوتی

تھی۔ اس بات سے ثابت ہوتی تھی کہ اتنا دولت مند ہونے کے باوجود اور اتنا طاقت ور ہونے کے باوجود اس نے کبھی شکوے کی خواہش نہیں کی۔ ورنہ وہ تو دنیا کی کسی بھی عورت کے لیے خواہش کرتا تو وہ اس کے قدموں میں آگرتی اور من پسند لڑکی کو خواہش کے زور پر حاصل کرنے سے گریز اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ اس لڑکی سے سبے پہلو محبت کرتا ہے۔ یہی ایک چیز اسے خواہش کرنے سے روک سکتی تھی۔ اس اعتبار سے محبت کے معاملے میں روپیہ خود کو اذیت کے معاملے میں کمتر محسوس کرتی تھی۔

اس کے خیال میں خلائی کی یہی صورت تھی کہ جب زمین کو اس کی اصل جہت ملے تو وہ اس کی راہ کی رکاوٹ نہ بنے۔ وہ اس قربانی کے لیے ذاتی طور پر تیار تھی۔

☆—————○—————☆

خواہش کارپوریشن (الامحدود) کی دوسری سالگرہ بھی اس اعزاز میں منائی گئی۔ اس تقریب میں روہینہ نے بھی شرکت کی۔ اس کی حیثیت اس بار میزبان کی تھی۔ تمام انتظامات اس نے خود کیے تھے۔ بیک اس نے اور اجپن نے مل کر کانا۔ اس کے غوراً بعد وہیں آخر نے اعلان کیا کہ چار دن بعد اس کی اور روہینہ کی شادی کی سالگرہ ہے اور منہج کے تمام لوگ اس کے گھر جمع ہو جائیں۔

ایک کئی کے بعد سب لوگوں نے اپنی اپنی خواہشات کے ساتھ جن اختر کے سپرد کر دیئے۔ جن اختر اُنہیں ے کر اپنے کمرے میں گیا تو روینہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ گذشتہ سال کی طرح وہیں نے ہر لقمے کو تھپا اور اس کے بعد حلا دیا پھر وہ روینہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "تمہارا لالہ نکھر نہیں آیا مجھے۔"

”مجھے اب کوئی خواہش ہے ہی نہیں۔“

"اور اب میں شاف میں شامل نہیں۔"

”کیسے ہو سکتی ہو۔ تم تو اب مالک ہو۔“ وہیں اختر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”شادی کی سالگرہ کے موقع پر میں تمہیں دس سو ہیشین گفٹ کروں گا۔ یہ بتاؤ اں کا کیا کرو گی؟“

"انہیں کسی آڑے وقت کے لیے بچا کر رکھوں گی۔"

دو دنوں ہاتھ میں ہاتھ والے کمرے سے باہر آئے تو کھانا لگ چکا تھا۔

☆—————○—————☆

سالگرہ کی چھٹی کے گلے دار، فون کی گھنٹی بجی۔ کیپٹن محفوظ نے ریسیور اٹھایا۔

"خواہش کارپوریشن"

"میں آپ کا سابق کلائنٹ محمود دودھی بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"مجھے آپ صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"پیر ہولڈ نیچے۔" محفوظ نے دیپن کو بتایا۔ دیپن کو محمود دودھی یاد تھا۔ "نہیک

ہے اسے لائن دے دو۔" اس نے کہا۔

"بات نیچے دودھی صاحب۔" کیپٹن محفوظ نے ہاتھ میں کہا اور ریسیور رکھ

دیا۔

"فرہانجی دودھی صاحب۔ کیسے یاد کیا؟"

"مجھے پھر آپ کی مدد کی ضرورت پڑ گئی ہے ذہیں صاحب۔"

"حکم کیجئے ہم تو بیٹھے ہی اسی لیے ہیں۔"

"میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

دیپن کو حیرت ہوئی۔ "آپ کا مطلب کہ آپ محترمہ عالیہ سے بھٹکارا حاصل کرنا

چاہتے ہیں۔ حسین پاتے کے لیے آپ سے پہلی بار میری خدمات حاصل کی تھیں۔"

"جی ہاں ذہیں صاحب۔"

"میں اس اختلاف کی وجہ جتنا چاہتا ہوں۔"

"بڑی لمبی کمال ہے۔" دوسری طرف سے سرد تو بھر کے کہا گیا۔

"میرے پاس فرصت بہت ہے۔ آپ اطمینان سے سلیپ۔"

"پسے ایک اور اہم بات بتا دوں۔ یہ آپ کے لیے ڈائل کیس ہے۔ آپ کو محترمہ

صوفیہ ہارون یاد ہوں گی۔"

"جی ہاں۔ وہ بھی اپنے شوہر شہد سے طلاق حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ درحقیقت

میں اور صوفیہ ایک دوسرے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"بہت خوب گویا دونوں کی دنیا بہت مشترک ہیں۔" دیپن اترنے لگا۔ "اب مجھے

وہ لمبی کالمی بھی بتا دالیے۔ میں بہت حیران ہوں۔"

"دونوں طرف ایک ہی ممانی ہے۔ عالیہ اور شہد دونوں ہی طبقاتی تفاوت کے

ہاتھوں مار کھائے۔ وہ خود کو مادی سوسائٹی میں اپنے جیسٹ نہ رکھ سکے اور احساس کتری میں

جنگ ہو گئے یوں میرے اور صوفیہ کے لیے اچھا خاصا مسئلہ بن گیا۔"

"مجھے تو یہ خبر گناہ معلوم ہو رہا ہے۔ اصل کالمی خالص ہے۔"

"یہ ہمارے نہیں، ایک عیادان فیکٹر ہے۔ یہ ہم دونوں کے لیے اور دینی زندگی سے

غیر متعلق ہو۔ لی عیادان۔ ہمارا ایک تقریب میں میری اور صوفیہ کی ملاقات ہوئی۔ آپ

یقین کریں میں صاحب کہ صوفیہ کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے قدرت نے اسے میرے

لیے ہی بنا دیا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس پہلی نظر کے بارے میں صوفیہ کا بھی یہی تاثر تھا۔

اس کے بعد ملاقاتیں ہوتی گئیں اور ہم میرے محسوس طور پر ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار

ہوئے گئے۔"

"لیکن جب آپ کا اور محترمہ صوفیہ فیکٹس میرے پاس آیا تھا تو آپ عالیہ کی محبت

میں اور صوفیہ صاحبہ شہد کی محبت میں یوں ڈوبی ہوئی تھیں کہ اس کے بغیر جینا ناممکن ہو

گیا تھا اور مجھے یہ ہے کہ آپ دونوں نے بڑے ارمانوں سے شادیاں کی تھیں۔"

"آپ نہیک کہہ رہے ہیں ذہیں صاحب، لیکن یہ اس قسمت کے کھیل ہیں۔"

دوسری طرف محمود دودھی نے گہری سانس لے کر کہا۔ "آپ شاید یقین نہ کریں لیکن یہ

واقعہ اسوتی ہوئی ہے۔ میں اور صوفیہ پسے کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے، لیکن اسوتی

ہے۔ ہم دونوں ایک ہی طبقے کے لوگ تھے پھر بھی ایک دوسرے سے بدوافت رہے۔ اگر

ہم پہلے مل گئے ہوتے تو آپ کی کارپوریشن کے منافع میں میں لاکھ روپے کم ہو جاتے اور

ہم دونوں متفق ہیں کہ مجھے عالیہ سے اور صوفیہ کو شہد سے محبت ہرگز نہیں تھی، ان

دونوں کی بے نیازی ہماری انا کے لیے پہنچ رہی تھی اور ہم اسے محبت سمجھ بیٹھے۔ صوفیہ اپنے کاروبار میں اور شہد کی نام سے محبت میں ہیں ابھی کہ اس کی سوشل لائف ہی ختم ہو گئی۔ اسی سے ابھی میرا اور اس کا سامنا نہیں ہوا اور جب سامنا ہوا تو محبت ہوئی اور محبت ہوئی تو ہمیں پتہ چلا کہ محبت وہ نہیں تھی یہ ہے۔ ہر مل آپ صورت حال یہ ہے کہ میں اور صوفیہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس بار میں آپ دونوں کی مدد نہیں کر سکا لیکن میرے خیال میں....."

"ایسا۔ نہیں۔ میں اور صوفیہ اس نام کے لیے آپ کو الگ الگ پیسے سے دین معاوضہ دیں گے۔ میں نے صوفیہ کے مشورے سے آپ کو فون کیا ہے۔"

"ات معاوضے کی نہیں۔ میں مجبور ہوں۔ کسی خواہش کے پورا ہونے کے بعد میں اسے رو نہیں کر سکتا۔"

"میں سمجھ نہیں۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ میں جانتا ہوں۔ چاہیں تاکہ ایسی رقم نہیں کہ میں اسے نظر انداز کر دوں لیکن میں جانتا ہوں کہ کمال میں ہے بس ہوں۔"

"ذہن صاحب میں....."

ذہن خیر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لودھی صاحب! آپ اور صوفیہ صاحبہ میرے کلائنٹ ہیں۔ یہ نا ممکن ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ بھی نہ کروں۔ میں جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔ اس صورت حال میں میں آپ کو صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ شہد حسین کا اپنا کاروبار ہے اور اب وہ مالی اعتبار سے بہت مضبوط ہے۔ دوسری طرف آپ نے بھی محترمہ عالیہ کو حتمی مالی تحفظات فراہم کیے ہوں گے۔ یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عالیہ اور شہد دونوں بہت اچھے انسان ہیں وہ لاپٹی نہیں۔ آپ اور محترمہ صوفیہ کو صرف بچا ہوتا ہوگا اور آپ کو بغیر کسی دشواری کے آزادی مل جائے گی۔"

"یہی تو ہم نہیں چاہتے ہیں وہیں صاحب۔ ہماری خواہش ہے کہ طلاق کے معاملے میں پہل وہ دونوں کریں۔"

"انسان کو دو بار زیادتی اس میں آتی ہو گی صاحب۔" ذہن نے سخت لہجے میں کہا۔ "اب جو آپ چاہتے ہیں وہ کسی نہیں ہوگا! آپ اور محترمہ صوفیہ پیسے ہی اس دونوں سے زیادتی کر چکے ہیں۔ اب پہل آپ کرنا ہوگی۔ فیصلہ بھی آپ کو ہی کرنا ہے۔ گزٹ لک۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔



ایسی شام سات بجے کہیں محفوظ خانے کی چوڑی کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج پڑی۔ محفوظ نے بد مزگی سے انٹرنیٹ کو دیکھا۔ وہ ابھمن میں پڑ گیا کہ فون ریسیو کرے نہ کرے پھر اس نے سوچا کہ فون ریسیو کرنے میں کاروباری نقصان ہو سکتا ہے چنانچہ اس نے ریسیو رکھ لیا۔ "خواہش کارپوریشن۔"

"آپ میری ایک خواہش پوری کرنے میں مدد دے سکتے ہیں؟" دوسری طرف سے ایک نسوولی آواز لے گئی۔

"جی کیوں نہیں۔" محفوظ نے بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔ "آپ اپنا نام بتائیں پلیز۔"

"جی میرا نام عاتقہ نظام ہے۔" دوسری لاس پر دین احقرس رہا تھا۔ اس کے ضم میں سسٹمی روڈنگی فور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اور آپ کی خواہش؟"

"کیا آپ کو بتانا ضروری ہے۔"

"جی۔ اس نے بعد ہی اس فیصلہ کریں گے کہ آپ کو ملاقات کا وقت دیا جائے یا نہیں۔"

"نہایت ہے۔ میں ایک شخص سے محبت کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے یہ نہیں

معلوم کہ وہ کہتا ہے۔ میں اسے ڈھونڈنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ مجھے اس کا پتہ مل جائے۔"

"ہیں؟ آپ شادی کے سلسلے میں مدد نہیں چاہتیں؟"

"نہیں اس سلسلے میں مجھے مدد کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف اس کا پتہ فراہم کر دیں مجھے۔"

"مس نظام آپ ہولڈ کریں۔ میں پاس سے بات کر کے آپ کو جواب دوں گا۔" مخلوط نے کہا اور فوراً ذہین اختر سے رابطہ کیا۔

"دفتر میں کون کون ہے؟" ذہین اختر نے پوچھا۔

یہ بات خلاف معمول تھی پھر اسے پاس کے لمبے میں سسٹنی اور آواز میں لرزش بھی محسوس ہوئی۔ "میرے سوا کوئی نہیں ہے پاس۔" اس نے جواب دیا۔

"اور دین محمد؟"

"وہ تو آج جلدی چلا گیا تھا پاس۔"

"ٹھیک ہے تم مس نظام سے کہو کہ فوراً چلی آئیں۔ میں ان کا منتظر ہوں اور پاس تم بھی چھٹی کر دو۔ چابی کلا فون کے پاس رکھ دینا دفتر میں خود بند کر لوں گا۔"

مخلوط نے اطمینان کا سانس لیا۔ درنہ اسے لگ رہا تھا کہ اسے دیر تک دکان پرے گا۔ اس نے مس نظام کو فوراً آنے کی ہدایت دے کر ریسیور رکھا اور کلا چابی فون کے پاس رکھ کر دفتر سے نکل گیا۔



عائد نظام!

یہ نام سننے ہی ذہین اختر پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ اس کی ہی عائد ہے اور عائد نظام ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے چکی ہے۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی تھی کہ وہ اسے تلاش کر رہی تھی اور اس کی مالی پوزیشن بھی بہت مضبوط ہو گئی۔ اپنے بیک گراؤ پر شرمسار لوگ اپنے نام

و نسب کے حوالے سے احساس کتری میں جھلا لوگ جب اپنی اصل ولایت استعمال کرنے لگیں تو سمجھ لو کہ ان کا احساس عدم تحفظ اور احساس کتری ختم ہو گیا۔

ایک ٹائے میں ذہین اختر نے بہت کچھ سوچ لیا۔ خوش قسمتی سے دفتر میں صرف محفوظ تھا۔ اسے اس نے چھٹی دے دی۔ اب وہ عائد کا شایان شان استقبال کر سکتا تھا۔ اب وہ بغیر کسی مداخلت کے پچھلے دو برسوں کے گلے شکوے کہہ سن سکتے تھے۔

ذہین اختر نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور سمجھ لیا کہ محفوظ رخصت ہو گیا ہے۔ اس نے دھاری گزری میں وقت دیکھا۔ سات بج کر تین منٹ ہوئے تھے۔ وہ اٹھا اور کمرے میں ادھر سے ادھر ٹپٹنے لگا۔ اس کے جسم میں سسٹنی دوڑ رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بھی سرسرت لاکھت گاتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسی خوشی اس نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

کہتے ہیں کہ انتظار اور خاص طور پر محبوب کا انتظار بہت صبر آزما اور اذیت ناک ہوتا ہے لیکن ذہین اختر عائد کے انتظار میں خوشی اور لذت کے معمولوں میں بیٹھ گیا رہا تھا۔ شاید انتظار میں یہاں کا سبب بے یقینی ہوتی ہے۔ یہ احساس کہ ممکن ہے آئے والا کسی وجہ سے نہ آ سکے اور انتظار کا عرصہ پھیل جائے آدمی کو ستاتا ہے لیکن ذہین اختر کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عائد بہرحال آئے گی۔ وہ اسے بے تابی سے تلاش کر رہی ہے۔ وہ اسی کی خاطر کارپوریشن (الامحدود) کے چیئرمین سے ملنے آرہی ہے۔ ارے وہ تو ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرے گی۔ یہ ملن تو یقینی ہے۔

انتظار کے وہ لمحے بے حد خوبصورت تھے اور ذہین اختر کا تخیل ان میں وارفتگی کے رنگ بھر رہا تھا۔ کیسے وہ دروازے میں داخل ہو گی۔ کیسے اسے دیکھ کر حیران ہو گی۔ بہت جن کر رہ جائے گی اور پھر وہ لپکے گی اور اس کی کھلی پاموں میں سا جائے گی۔ کیسے وہ دیر تک لپٹے کمرے رہیں گے۔ ایک دوسرے کے لمس سے بے خود بے سدا۔ وہ چپ رہیں گے تو جسم باتیں کریں گے پھر وہ بیک وقت بولنا شروع کر دیں گے۔ ذہین اختر کے جسم میں خون کی جگہ لذت دوڑ رہی تھی۔

اس نے نظریں اٹھا کر گھڑی کو دیکھا۔ سات بج کر دس منٹ ہوئے تھے اورے سات منٹ گزر گئے اور پچھ بھی نہیں چلا۔ واہ یہ کیا انتظار ہے جس میں وقت اڑا جا رہا ہے۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو اس نے ٹھٹھا موقوف کر دیا۔ اس کا رخ اپنے دفتر کے دروازے کی طرف تھا۔ چند لمبے بعد دروازہ کھلا اور وہ نظر آئی۔ وقت جیسے ٹھہر گیا۔ وہ پہلے جیسی نہیں تھی۔ اس کا حسن پہلے سے فزوں ہو گیا تھا۔ اسے اتنے قریب دیکھ کر ذہین اختر کی سانسیں رکنے لگیں۔ دل کی دھڑکنیں بے رہا ہو گئیں۔

عالم نے اسے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کے ہونٹ ہلے لیکن کوئی آواز نہ نکلی۔ وہ بہت فنی ٹھٹھی ہاتھ دے ذہین اختر کو دیکھے جا رہی تھی۔

"ہاں عالم یہ میں ہوں ذہین اختر۔" ذہین نے بے حد شیریں لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم آ رہی ہو۔ میں نے دنیا کا حسین ترین سب سے بڑھ کر لذت آگیاں انتظار کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم صرف سات منٹ میں آگئیں۔ میں اس انتظار کی لذت بیان نہیں کر سکتا۔ اس کی لذت تو وصل سے بڑھ کر ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں قیامت تک اس ہی سات منٹ بیتا رہوں۔"

یہی وہ وقت تھا جب دیوی ظاہر ہوئی۔ اس نے فاتحانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ "آگئے نا اپنے ہی جاں میں۔"

ایک پل کو ذہین اختر کی آنکھوں میں حیرت پھیل کر فوراً ہی دہشت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ کچھ سمجھ تو نہیں سکا تھا لیکن اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ سنگین ترین گڑبڑ ہو گئی ہے۔ انجانے میں وہ ایک ایسی خواہش کر بیٹھا ہے جو زندگی کی آخری خواہش بن گئی ہے۔ اسے ایک جھٹکا سا لگا اور اس نے خود کو اپنی کرسی پر بیٹھا پایا۔ اس نے دیواری گھڑی میں وقت دیکھا۔ سات بج کر تین منٹ ہوئے تھے۔ وہ اٹھا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹھٹھنے لگا۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔

دیوی قہقہے لگاتے جا رہی تھی۔ "یہ ہے گھنیا پن کا انجام لاپی انسان۔"

انتظار کے وہ لمحے بے حد خوبصورت تھے اور ذہین اختر کا تخیل ان میں وارفتگی کے رنگ بھر رہا تھا۔

دیوی قہقہے لگاتے جا رہی تھی۔

انیت ناک بات یہ تھی کہ ذہین اختر سب کچھ سوچ اور سمجھ سکتا تھا لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اپنی مرضی سے کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دیوی کو جواب دیتا چاہتا تھا اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دفتر کے دروازے سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے جان لیا کہ وہ خود اپنی خواہش کا اسیر ہو گیا ہے 'وہ گزرے ہوئے سات منٹوں کی مسلسل قید میں ہے' یہ احساس اور جان لیا تھا کہ عالم بھی اس کی محفلت میں لپیٹ میں آگئی ہے۔ وہ بھی اس کے ساتھ قید ہو گئی ہے۔

پھر دروازہ کھلا اور وہ پھر نظر آئی۔ وقت جیسے ٹھہر گیا۔

دیوی فاتحانہ انداز میں قہقہے لگاتے جا رہی تھی۔

"— میں نے دنیا کا حسین ترین سب سے بڑھ کر لذت آگیاں انتظار کیا ہے۔ میں اس انتظار کی لذت بیان نہیں کر سکتا۔" ذہین اختر کہہ رہا تھا حالانکہ اس کا دماغ ان لفظوں کی لٹی کر رہا تھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس انتظار میں کوئی لذت نہیں۔ یہ دنیا کا خوفناک ترین انتظار ہے۔ اس لیے کہ اس کے اختتام پر میرے لیے کائنات کی بدترین سزا ہے لیکن وہ یہ کہہ نہیں سکتا تھا۔

وہ لپ لپا کر دیواری گھڑی کی طرف بھاگا تھا۔ "اس کی لذت تو وصل سے بڑھ کر ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں قیامت تک اس ہی سات منٹ بیتا رہوں۔"

اسے جھٹکا لگا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے دیواری گھڑی میں وقت دیکھا۔ سات بج کر تین منٹ ہوئے تھے۔

دیوی قہقہے لگاتے جا رہی تھی۔ چنتے چنتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ "واہ کیا پرکار منس دے رہے ہو۔" اس نے داد دی۔ "اسے کہتے ہیں اداکاری۔ کہنا کچھ چاہتے ہو اور کہہ کچھ اور رہے ہو۔ بے حد دکھی ہو لیکن بے حد خوش نظر آ رہے ہو۔ واہ

”بھئی واہ۔“

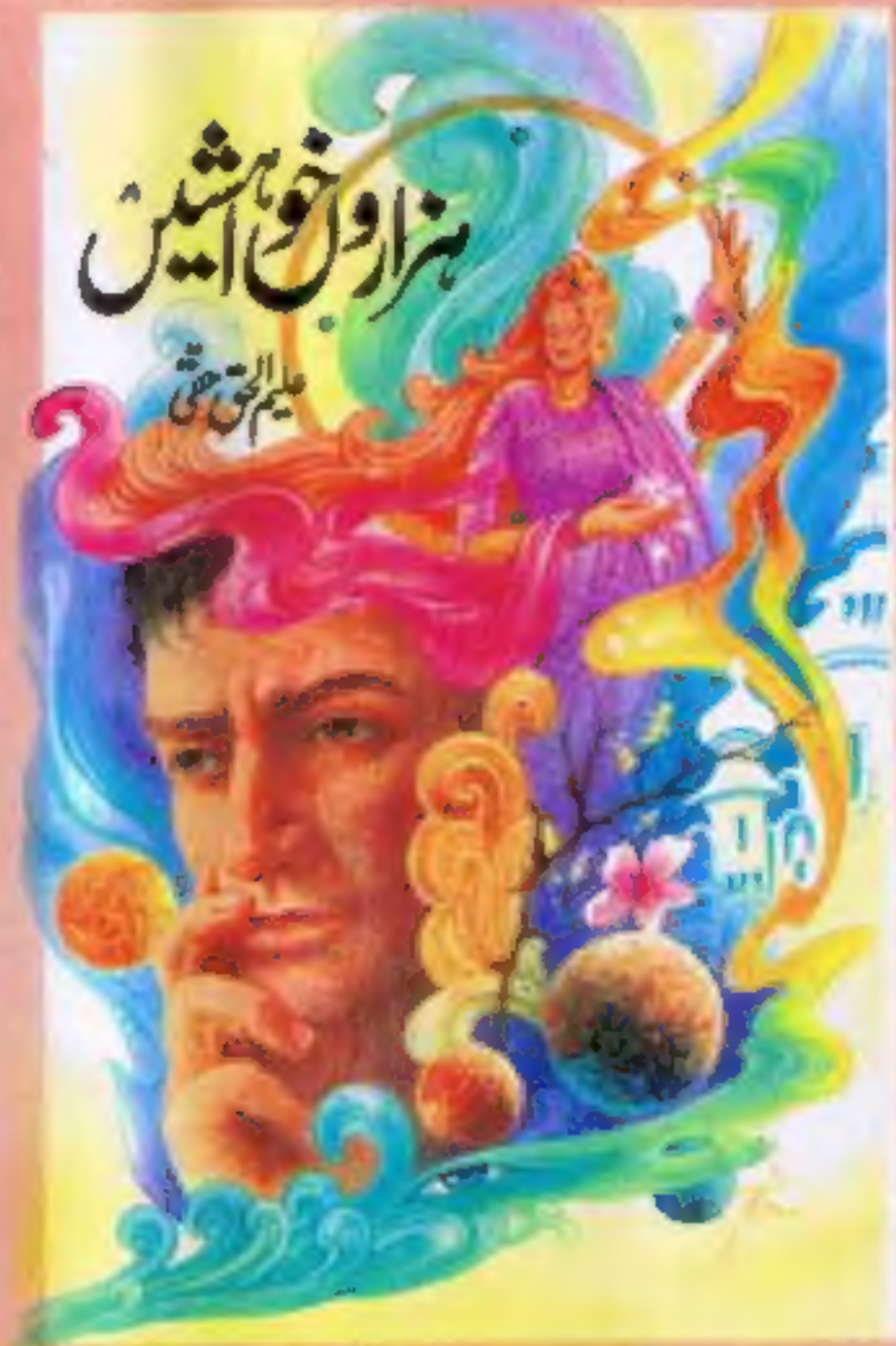
ذہین اختر دیوی پر چیخنا چاہتا تھا، اسے ڈانٹنا چاہتا تھا لیکن یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ یہ بے بسی اور اذیت ناک تھی۔ وہ مشین کی طرح بولے جا رہا تھا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ تم صرف سات منٹ میں آگئیں۔ میں اس انتظار کی.....“ اب وہ دیوی کے سامنے گڑگڑاتا، اس کی خوشامد کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے بس میں یہ بھی نہیں تھا۔

اسے آنکھوں جھٹکا لگا تو وہ نڈھال ہو چکا تھا لیکن باہر سے تازہ دم دکھائی دے رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو اس نے ٹہلنا موقوف کر دیا، اس کا رخ اپنے دفتر کے دروازے کی طرف تھا۔ دروازہ کھلا اور وہ نظر آئی، وقت جیسے ٹھہر گیا۔

اسے خیال آیا کہ عاقلہ کی اذیت تو اور زیادہ ہو گی۔ اس بے چاری کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کس بات کی سزا ملی ہے اسے۔ اس پر کیا گزر رہی ہو گی۔

دیوی نے قہقہہ لگایا۔ ”اچھا تو اے خوش گوار وقت کے اسیر و“ میں چلتی ہوں۔“ وہ بولی۔ ”آج میں آزاد ہو گئی ہوں۔ تم قیامت تک سیاروں کی طرح اس کمرے میں گردش کرتے رہو۔ یونہی طلوع و غروب ہوتے رہو۔ ہاں چلتے چلتے تمہیں ایک بات بتا دوں۔ تمہارے اکاؤنٹ میں اس وقت بارہ ہزار چھ سو اڑتالیس خواہشیں موجود ہیں۔“ یہ ایک اور تازیانہ تھا۔

یہ کہہ کر دیوی ایک دم غائب ہو گئی۔
کمرے میں سات بج کر تین منٹ اور سات بج کر دس منٹ کا وقت خود کو دہرائے جا رہا تھا۔ اپنے اسیروں کو نچائے جا رہا تھا۔ اس کا کوئی اختتام نہیں تھا۔



محترم علیم الحق حق کے قلم سے انوکھی تحریر

- ☆ خواہشات کے گرداب میں پھنسے ہوئے ایک شخص کی دلچسپ داستان۔
- ☆ اس نے طویل عرصے تک محرومیوں کا زہریلا تھا لیکن پھر قسمت کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی جو اس کی ہر خواہش پوری کر سکتی تھی۔
- ☆ اس نے لوگوں کی خواہشیں پوری کرنے والا ادارہ کھول لیا اور معاوضہ لے کر لوگوں کی خواہشیں پوری کرنے لگا۔
- ☆ انسانی نفسیات کی نیونگیوں اور دلوں میں چھپی آرزوؤں کی کہانی۔
- ☆ ایک ادارے کی دلچسپ روداد جو لوگوں کی خواہشات پوری کرنے کا دعویدار

اچھوتے موضوع پر فکر انگیز تحریر